اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ؕ

القران الحکیم ۲:۲۵۸

النّــــور آن لائن

Al-Nur Online, USA

نبوت ۱۴۰۰ھش تا صلح ۱۴۰۱ھش
نومبر ۲۰۲۱ء تا جنوری ۲۰۲۲ء

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ

القرآن الحکیم ۳:۱۷۰

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اُن کو ہرگز مُردے گمان نہ کر بلکہ (وہ تو) زندہ ہیں (اور) انہیں ان کے ربّ کے ہاں رزق عطا کیا جا رہا ہے۔

Muslims who believe in the Messiah Mirza Ghulam Ahmad[as] of Qadian

جلد نمبر 1 نبوّت 1400 تا صلح 1401 ہش — نومبر 2021 ء تا جنوری 2022ء — ربیع الاوّل تا جمادی الاوّل 1443 ہجری شمارہ نمبر 3

فہرست

لکھنے کا پتہ:
Al-Nur@ahmadiyya.us
Editor Al-Nur,
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡم۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

وَلَا تَحۡسَبَنَّ ٱلَّذِيۡنَ قُتِلُواْ فِي سَبِيۡلِ ٱللّٰهِ أَمۡوَاتًا ۚ بَلۡ أَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ۝
فَرِحِيۡنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ ٱللّٰهُ مِن فَضۡلِهٖ ۙ وَيَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِٱلَّذِيۡنَ لَمۡ يَلۡحَقُواْ بِهِمۡ مِّنۡ خَلۡفِهِمۡ ۙ أَلَّا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ۝
يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَةٍ مِّنَ ٱللّٰهِ وَفَضۡلٍ ۙ وَأَنَّ ٱللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ أَجۡرَ ٱلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝

(سورۃ اٰل عمران:170، 171، 172)

ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ:

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اُن کو ہرگز مُردے گمان نہ کر بلکہ (وہ تو) زندہ ہیں (اور) انہیں ان کے ربّ کے ہاں رزق عطا کیا جا رہا ہے۔
بہت خوش ہیں اس پر جو اللہ نے اپنے فضل سے اُنہیں دیا ہے اور وہ خوشخبریاں پاتے ہیں اپنے پیچھے رہ جانے والوں کے متعلق جو ابھی ان سے نہیں ملے کہ ان پر بھی کوئی خوف نہیں ہوگا اور وہ غمگین نہیں ہوں گے۔
وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے متعلق خوشخبریاں پاتے ہیں اور یہ (خوشخبریاں بھی پاتے ہیں) کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔

حدیثِ مبارکہ

تَمَنِّی الْمُجَاهِدِ أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا

مجاہد کی تمنّا کہ وہ دنیا میں پھر لوٹے

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا عَلَى الأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلاَّ الشَّهِيْدُ يَتَمَنَّى أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرَى مِنَ الْكَرَامَةِ ۔

(صحیح البخاری جلد5۔56۔کتاب الجہاد والسیر صفحہ 181, 182)

محمد بن بشار نے ہم سے بیان کیا کہ غندر (محمد بن جعفر) نے ہمیں بتایا۔ (کہا کہ) شعبہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے قتادہ سے سنا۔ وہ کہتے تھے: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے کہ آپؐ نے فرمایا: شہید کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں جو جنت میں داخل ہو جائے اور پھر دنیا میں واپس آنا پسند کرے گو اُسے جو کچھ بھی زمین میں ہے مل جائے۔ شہید آرزو کرتا ہے کہ وہ دنیا میں دس بار لوٹے اور مارا جائے اس لئے کہ وہ عزت دیکھ لیتا ہے (جو شہید کو ملتی ہے)

~❁~❁~❁~

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

"میں خوب جانتا ہوں کہ جماعت کے بعض افراد ابھی تک اپنی روحانی کمزوری کی حالت میں ہیں یہاں تک کہ بعض کو اپنے وعدوں پر بھی ثابت رہنا مشکل ہے لیکن جب میں اس استقامت اور جانفشانی کو دیکھتا ہوں جو صاحبزادہ مولوی محمد عبد اللطیف مرحوم سے ظہور میں آئی تو مجھے اپنی جماعت کی نسبت بہت امید بڑھ جاتی ہے کیونکہ جس خدا نے بعض افراد اس جماعت کو یہ توفیق دی کہ نہ صرف مال بلکہ جان بھی اس راہ میں قربان کر گئے اس خدا کا صریح یہ منشاء معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت سے ایسے افراد اس جماعت میں پیدا کرے جو صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف کی روح رکھتے ہوں اور ان کی روحانیت کا ایک نیا پودہ ہوں جیسا کہ میں نے کشفی حالت میں واقعہ شہادت مولوی صاحب موصوف کے قریب دیکھا کہ ہمارے باغ میں سے ایک بلند شاخ سرو کی کاٹی گئی اور★ میں نے کہا کہ اس شاخ کو زمین میں دوبارہ نصب کر دو تا وہ بڑھے اور پھولے۔ سو میں نے اس کی یہی تعبیر کی کہ خدا تعالیٰ بہت سے اُن کے قائم مقام پیدا کر دے گا۔ سو میں یقین رکھتا ہوں کہ کسی وقت میرے اس کشف کی تعبیر ظاہر ہو جائے گی"۔

★اس سے پہلے ایک صریح وحی الٰہی صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم کی نسبت ہوئی تھی جبکہ وہ زندہ تھے بلکہ قادیان میں ہی موجود تھے اور یہ وحی الٰہی میگزین انگریزی 9 فروری 1903ء میں اور الحکم 17 جنوری 1903 اور البدر 16 جنوری 1903ء کالم دو میں شائع ہو چکی ہے جو مولوی صاحب کے مارے جانے کے بارے میں ہے اور وہ یہ ہے کہ قُتِلَ خَیْبَۃً وَزِیْدَ ھَیْبَۃً۔ یعنی ایسی حالت میں مارا گیا کہ اس کی بات کو کسی نے نہ سنا اور اس کا مارا جانا ایک ہیبت ناک امر تھا یعنی لوگوں کو بہت ہیبت ناک معلوم ہوا۔ اور اس کا بڑا اثر دلوں پر ہوا۔ منہ (تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 75، 76)

حقیقی نور کیا ہے؟

"... حقیقی نور کیا ہے؟ وہ جو تسلی بخش نشانوں کے رنگ میں آسمان سے اترتا اور دلوں کو سکینت اور اطمینان بخشتا ہے۔ اس نور کی ہر ایک نجات کے خواہشمند کو ضرورت ہے کیونکہ جس کو شبہات سے نجات نہیں اُس کو عذاب سے بھی نجات نہیں۔ جو شخص اِس دُنیا میں خدا کے دیکھنے سے بے نصیب ہے وہ قیامت میں بھی تاریکی میں گرے گا۔ خدا کا قول ہے کہ مَنۡ کَانَ فِیۡ ہٰذِہٖۤ اَعۡمٰی فَهُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ اَعۡمٰی (بنی اسرائیل:73) اور خدا نے اپنی کتاب میں بہت جگہ اشارہ فرمایا ہے کہ میں اپنے ڈھونڈنے والوں کے دل نشانوں سے منور کروں گا۔ یہاں تک کہ وہ خدا کو دیکھیں گے اور میں اپنی عظمت انہیں دکھلا دوں گا یہاں تک کہ سب عظمتیں ان کی نگاہ میں ہیچ ہو جائیں گی۔ یہی باتیں ہیں جو میں نے براہ راست خدا کے مکالمات سے بھی سنیں پس میری روح بول اٹھی کہ خدا تک پہنچنے کی یہی راہ ہے اور گناہ پر غالب آنے کا یہی طریق ہے۔ حقیقت تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم حقیقت پر قدم ماریں۔ فرضی تجویزیں اور خیالی منصوبے ہمیں کام نہیں دے سکتے۔ ہم اس بات کے گواہ ہیں اور تمام دنیا کے سامنے اس شہادت کو ادا کرتے ہیں کہ ہم نے اس حقیقت کو جو خدا تک پہنچاتی ہے قرآن سے پایا ہم نے اس خدا کی آواز سنی اور اس کے پُرزور بازو کے نشان دیکھے جس نے قرآن کو بھیجا۔ سو ہم یقین لائے کہ وہی سچا خدا اور تمام جہانوں کا مالک ہے۔ ہمارا دل اس یقین سے ایسا پُر ہے جیسا کہ سمندر کی زمین پانی سے۔ سو ہم بصیرت کی راہ سے اس دین اور اس روشنی کی طرف ہر ایک کو بلاتے ہیں ہم نے اس نور حقیقی کو پایا جس کے ساتھ سب ظلمانی پردے اٹھ جاتے ہیں اور غیر اللہ سے در حقیقت دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے..." (روحانی خزائن جلد 13 کتاب البریہ صفحہ 65)

شانِ اِسلام

منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اے میرے یارِجانی! خود کر تو مہربانی ورنہ بلائے دُنیا اِک اژدھا یہی ہے

دِل میں یہی ہے ہر دَم تیرا صحیفہ چُوموں قرآں کے گِرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

جلد آ مرے سہارے غم کے ہیں بوجھ بھارے مُنہ مت چُھپا پیارے میری دوا یہی ہے

کہتے ہیں جوشِ اُلفت یکساں نہیں ہے رہتا دِل پر مرے پیارے ہر دم گھٹا یہی ہے

ہم خاک میں ملے ہیں شاید ملے وہ دِلبر جیتا ہوں اِس ہَوَس سے میری غذا یہی ہے

دُنیا میں عشق تیرا باقی ہے سب اندھیرا معشوق ہے تُو میرا عشقِ صفا یہی ہے

مُشتِ غبار اپنا تیرے لئے اُڑایا جب سے سُنا کہ شرطِ مِہر و وفا یہی ہے

دِلبر کا دَرد آیا حرفِ خودی مِٹایا جب مَیں مَرا جِلایا جامِ بقا یہی ہے

اِس عشق میں مصائب سَو سَو ہیں ہر قدم میں پر کیا کروں کہ اس نے مجھ کو دیا یہی ہے

حرفِ وفا نہ چھوڑوں اِس عہد کو نہ توڑوں اُس دلبرِ ازل نے مجھ کو کہا یہی ہے

جب سے ملا وہ دِلبر دُشمن ہیں میرے گھر گھر دِل ہوگئے ہیں پتھر قدر و قضا یہی ہے

مجھ کو ہیں وہ ڈراتے پھر پھر کے در پہ آتے تیغ و تبر دِکھاتے ہر سُو ہَوا یہی ہے

دِلبر کی رہ میں یہ دل ڈرتا نہیں کسی سے
ہشیار ساری دُنیا اِک باؤلا یہی ہے

سید طالع احمد شہید

خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت مرزا مسرور احمد، خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خطبہ جمعہ
3 ستمبر 2021ء بمطابق 3 تبوک 1400 ہجری شمسی، بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یو کے

تشہد، تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

گذشتہ دنوں ہمارے ایک بہت ہی پیارے بچے اور واقف زندگی عزیزم سید طالع احمد ابن سید ہاشم اکبر کی گھانا میں شہادت ہوئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ 23/ اور 24/ اگست کی درمیانی شب ایم ٹی اے کی ٹیم گھانا کے نادرن ریجن میں ریکارڈنگ کر کے کماسی (Kumasi) آ رہی تھی کہ راستے میں سوا سات بجے کے قریب ڈاکوؤں کی فائرنگ سے یہ جو ٹیم کے تین ممبر تھے ان میں سے دو، عزیزم سید طالع احمد اور عمر فاروق صاحب زخمی ہو گئے۔ تقریباً ساڑھے چار گھنٹے کے بعد پہلے پولی کلینک میں ان کی میڈیکل ٹریٹمنٹ (treatment) ہوئی۔ اس کے بعد ٹمالے بڑے ہسپتال لے جا رہے تھے تو راستے میں سید طالع احمد کی وفات ہو گئی۔ ایم ٹی اے انٹرنیشنل سے دوسرے ملکوں میں تو شاید بعض شہادتیں ہوئی ہیں لیکن یہاں کی پہلی شہادت تھی اور واقفین نَو یو کے کی میرا خیال ہے شاید پہلی شہادت ہے۔

سید طالع احمد محترمہ امۃ اللطیف بیگم صاحبہ اور سید میر محمد احمد صاحب کے پوتے تھے اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑنواسے اور اس طرح حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ کے پڑپوتے یعنی پوتے کے بیٹے تھے اور حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ حضرت اماں جان حضرت نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ کے چھوٹے بھائی تھے۔ اس لحاظ سے حضرت اماں جانؓ سے بھی ان کا سلسلہ ملتا ہے اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی اور اماں جان سے پھر ایک رشتہ قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ مرزا غلام قادر شہید کے داماد بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ جیسا کہ میں نے کہا وقفِ نو کی تحریک میں بھی شامل تھے۔

بائیو میڈیکل سائنسز میں ڈگری حاصل کی۔ پھر جرنلزم میں ماسٹرز کیا۔ 2013ء میں زندگی وقف کی اور پھر مختلف دفتروں میں کام کرنے کے بعد آخر پریس اور میڈیا میں ان کی تقرری ہوئی۔ اس سے پہلے سید طالع اپنی جماعت میں لوکل لیول پر بھی خدمات بجا لاتے رہے تھے۔ خدام الاحمدیہ ہارٹلے پول میں تبلیغ، تعلیم اور اشاعت اور اطفال کے شعبوں کا کام کیا۔ ان کی 2016ء میں ایم ٹی اے نیوز میں مکمل طور پہ تقرری ہوئی اور اس سے پہلے یہ ریویو آف ریلیجنز میں انڈیکسنگ (Indexing) اور ٹیگنگ (Tagging) کے ہیڈ کے طور پر بھی خدمت کی توفیق پاتے رہے۔ ایم ٹی اے نیوز کے لیے انہوں نے ڈاکومنٹریز بنائیں اور مزید تین یا چار ڈاکومنٹریز پر کام کر رہے تھے۔ یہ جو میری مصروفیات کا ہفتہ وار پروگرام ہے This week with Huzur اس کو بھی انہوں نے initiate کیا تھا، انہوں نے شروع کیا اور پھر آخر تک اس میں خاص دلچسپی سے اس کی ایڈیٹنگ وغیرہ اور سارا کام کرتے رہے اور یہ پروگرام ایم ٹی اے دیکھنے والوں کے لیے بڑا مشہور تھا۔ ایڈیٹر طاہر میگزین کے علاوہ مجلس خدام الاحمدیہ کے شعبہ اشاعت میں بھی خدمت بجا لاتے رہے۔ مختلف جماعتی رسائل مثلاً ریویو آف ریلیجنز اور طارق میگزین میں مضامین بھی لکھتے رہے اور پریس اینڈ میڈیا کے آفس کے تحت مختلف ممالک میں میرے ساتھ بھی اور ویسے بھی انہوں نے دورے کیے۔

عزیزم طالع کو اپنے کام کو ختم کرنے کے لیے اور صرف ختم کرنے کے لیے نہیں بلکہ معیار کے مطابق پہنچانے کے لیے ایک غیر معمولی جوش اور جذبہ ہوتا تھا اور اس کے لیے وہ کسی خطرے کی بھی پروا نہیں کرتا تھا اور اس کی شہادت کے واقعہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو ایک لمحے کی بھی فکر نہیں تھی کہ کیا خطرہ ہے۔ بس یہ فکر تھی کہ جس کام کے لیے میں آیا ہوا ہوں اس کو احسن رنگ میں سرانجام دے سکوں اور وقت پہ مکمل کر لوں۔ اسی لیے ایسے وقت میں سفر بھی شروع کیا جبکہ خطرے کے امکانات بہت بڑھ گئے تھے۔ ابوبکر ابراہیم صاحب ٹمالے (Tamale) کے زونل مشنری ہیں۔ وہ کچھ تفصیل بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ 23/ اگست کو صبح جب ایم ٹی اے کی ٹیم سلاگا (Salaga) روانہ ہونے لگی تو انہوں نے طالع کو اپنا سامان پیک کرتے دیکھ کے کہا کہ ہوٹل سے چیک آؤٹ کر رہے ہو تو سلاگا سے واپس آنا ہے اور یہاں رکنا بھی ہے۔ طالع نے کہا وقت کم ہے اس لیے میں نے واپس کماسی ہی جانا ہے۔ ان کو مولوی صاحب نے کہا کہ آپ کو سلاگا سے واپسی پر دیر ہو گئی تو پھر رات کو سفر مناسب نہیں ہے لیکن بہر حال انہوں نے کہا ٹھیک ہے، پھر دیکھیں گے لیکن انہوں نے یہ بھی انہیں کہا کہ میں نے آگے سیرالیون بھی جانا ہے اور میرے پاس صرف مزید دو دن ہیں اور بہت سارے کام یہاں کماسی اور

اکرا(Accra)میں کرنے والے ہیں۔ اس لیے میرا جانا ضروری ہے لیکن آپ کہتے ہیں تو دیکھوں گا۔ بہر حال جب واپس آئے تو انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ واپسی کا سفر کرنا ہے اور یہ واپسی کے لیے کماسی روانہ ہو گئے۔ پونے سات بجے طالع نے عمر فاروق صاحب کو کہا کہ نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ان سب نے مغرب اور عشاء کی نمازیں باجماعت ادا کیں۔ پھر ان کو فکر تھی کہ سلاگا سے جو ریکارڈنگ کر کے لائے ہیں اور یہاں ٹمالے میں کی ہیں ان کی فائلز کرپٹ(corrupt)نہ ہو جائیں اس لیے سفر میں ہی انہوں نے اس کو لیپ ٹاپ پر محفوظ کرنے کے لیے کوشش شروع کر دی اور سفر کے دوران یہی کام کر رہے تھے۔ تو ان کو یہ نہیں تھا برداشت کہ کسی طرح بھی وقت ضائع ہو۔ اور پھر جو جماعتی سامان ہے اس کی بھی ان کو ہر وقت فکر رہتی تھی کہ یہ بڑا مہنگا سامان ہے، ضائع نہ ہو جائے۔

بہر حال پولیس رپورٹ کے مطابق یہ کہتے ہیں جب ایم ٹی اے کی گاڑی Mpaha جنکشن کے قریب پہنچی تو ڈاکوؤں نے ان پر فائرنگ شروع کر دی جس کے نتیجہ میں ٹیم کے دو افراد زخمی ہو گئے جیسا کہ میں نے بتایا۔ ان کے ڈرائیور کہتے ہیں کہ ایک گاڑی سامنے سے آ رہی تھی، اس نے مجھے خطرے کا اشارہ کیا جس کو میں سمجھ نہیں پایا لیکن بہر حال جب میں نے دیکھا کہ ڈاکو آگے آ گئے ہیں، ایک دم رات کو ہیڈ لائٹس کی روشنی میں مجھے نظر آئے تو بہر حال میں نے زور سے کلمہ پڑھا لیکن ساتھ ہی ڈاکوؤں نے فائرنگ بھی شروع کر دی۔ سید طالع گاڑی کے پچھلے حصہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان کو بھی اندازہ ہو گیا فائرنگ سن کے کہ آرمڈ رابرز (armed robbers)سے مقابلہ ہو رہا ہے، حملہ ہو گیا ہے۔ عمر فاروق صاحب کہتے ہیں کہ اس فائرنگ کے دوران مجھے کولہے میں ران کے اوپر گولی لگی لیکن اس گولی کا مجھے احساس نہیں ہوا۔ گولیاں برسانے کے بعد ڈاکوؤں کی طرف سے خاموشی ہو گئی اور یہ لوگ پھر تھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ بہر حال کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد ڈاکو ٹارچ لے کر آگے بڑھے اور ڈرائیور اور مجھے گاڑی سے اتارا اور ہمارے پاس فون اور جو رقم تھی ہم نے ان کے حوالے کر دی۔ انہوں نے ہمیں باہر سڑک پر لٹا دیا، زدو کوب کیا۔ کہتے ہیں میرے سر پہ زور سے ڈنڈا بھی مارا جس سے خون نکلنا شروع ہو گیا لیکن اس کے باوجود کہتے ہیں مجھے طالع کی فکر زیادہ تھی۔ بہر حال یہ بھی بیمار ہیں، گولی بھی لگی ہے، سر بھی زخمی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی شفا دے۔ ان کے لیے بھی دعا کریں۔ بہر حال اس کے بعد عبدالرحمٰن اور عمر فاروق جو ڈرائیور تھے وہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہو گیا۔ جب ڈاکو ہمیں لُوٹ کے چلے گئے تو ہم ہمت کر کے اٹھے۔ فوراً گاڑی کی طرف آئے کہ دیکھیں طالع کا کیا حال ہے تو دیکھا کہ اس کے بھی کمر پہ دائیں طرف گولی لگی ہوئی تھی اور اندر دھنس گئی تھی جس کے نتیجہ میں گاڑی میں ہی بہت سارا خون بہہ گیا تھا۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق یہی جان لیوا بھی ثابت ہوا۔

بہر حال سانحہ کے بعد انہیں ایک گزرتی بس کے ذریعہ سے Buipe پولی کلینک پہنچایا گیا۔ وہاں کچھ تھوڑی سی treatment ہوئی۔ پھر وہاں سے ٹمالے ٹیچنگ ہسپتال لے جانے کا فیصلہ ہوا لیکن راستے میں ہی ان کی وفات ہو گئی اور ہسپتال جا کے انہوں نے ڈکلیئر کیا کہ وفات تو ہو چکی ہے۔ عمر فاروق صاحب کہتے ہیں کہ طالع کا سر میری ران پہ تھا اور وہ بار بار مجھ سے یہی پوچھتے تھے کیا حضور کو ہمارے اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی ہے؟ دعا کے لیے کہہ دیا ہے؟ کہتے ہیں ہمارے پہ اس سانحہ کا شدید اثر تھا اور بے شمار اندیشے اور خوف تھے جو ہمیں خوفزدہ کر رہے تھے۔ کہتے ہیں سید طالع نے اس دوران میں جب ہم ہسپتال لے کے جا رہے تھے یہ بھی انہیں بتایا کہ دوران فائرنگ انہوں نے فوری طور پر لیپ ٹاپ اور دوسری چیزوں کو پچھلی سیٹوں کے نیچے دھکیل دیا ہے جو وہاں محفوظ ہیں وہاں سے نکال لینا۔ پھر انہوں نے مجھ سے کیمرے اور فون اور لیپ ٹاپ وغیرہ کے بارے میں پوچھا کہ کیا سب محفوظ ہے؟ کیونکہ انہیں فکر تھی کہ سب ریکارڈ ضائع نہ ہو جائے۔ میں نے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب متعلقہ سامان محفوظ ہے۔

اسے فکر تھی تو جماعتی اشیاء اور اموال کی اور جو محنت کی تھی جماعتی تاریخ کو محفوظ کرنے کی اس کی حفاظت کی۔ بہر حال کہتے ہیں کہ نو، ساڑھے نو بجے کے قریب اس کی حالت بگڑنی شروع ہوئی جس کی وجہ سے پولی کلینک والوں نے فیصلہ کیا کہ فوری طور پر کسی ہسپتال منتقل کیا جائے جیسا کہ میں نے کہا کہ ٹمالے ہسپتال لے جا رہے تھے تو راستے میں ہی ان کی وفات ہو گئی۔ ایمبولینس میں بعض ضروری چیزیں بھی موجود نہیں تھیں اور ان ملکوں میں بعض دفعہ یہی حالات ہوتے ہیں۔ ایک تو شروع میں ایمبولینس ملنے کی وجہ سے دیر بھی ہو گئی اور پھر بلیڈنگ بھی بہت زیادہ ہو رہی تھی تو بہر حال آخر وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر تھی۔ عمر فاروق صاحب کہتے ہیں اس دوران میں جبکہ ہم زخمی سفر کر رہے تھے طالع نے مجھ سے کہا کہ Tell Huzur that I love him and tell my family that I love them عمر فاروق صاحب کہتے ہیں کہ تھوڑی سی ہوش آتی تھی تو پھر یہی بات دوہراتے تھے اور ایسا کئی مرتبہ ہوا۔ یہ ایک دفعہ نہیں کہا، کئی مرتبہ ہوا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ آپ لوگوں نے ہمارا بہت زیادہ خیال رکھا ہے اور ہر ممکن مدد کی ہے جس کے لیے میں آپ کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ میں نے ان کا حوصلہ بلند کیا لیکن اب ان کی ہمت جواب دیتی جا رہی تھی اور یہ حالت تھی کہ میں جب سوال کرتا تو بولنے کی بجائے

اپنے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے انگوٹھا اوپر کر کے اشارہ کرتے کہ سب ٹھیک ہے جس کی وجہ سے مجھے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ پھر ان کی سانس میں تیزی آئی اور ایک لمبی خاموشی ہو گئی اور میں سمجھ گیا کہ جو ہم نہیں چاہتے تھے وہ ہو گیا ہے۔ کہتے ہیں میل نرس(male nurse) اور ڈرائیور آپس میں لوکل زبان میں باتیں کر رہے تھے جس سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ہمیں بتانا نہیں چاہتے لیکن سید طالع احمد کی وفات ہو چکی ہے اور بہرحال جیسا کہ میں نے کہا جب ٹمالے پہنچے تو ایک بج کے انچاس منٹ پر ان کی وفات کا اعلان ہوا، ہسپتال والوں نے ڈکلیئر کیا۔ کہتے ہیں اس خبر کی وجہ سے ٹمالے کے سب لوگ جو تھے بہت افسردہ ہو گئے کیونکہ تھوڑی دیر پہلے ہی ان کو ہنستا کھیلتا انہوں نے رخصت کیا تھا۔ تو بہرحال یہ تو اس کی شہادت کے واقعہ کی کچھ تفصیل تھی۔

ایک ہیرا تھا جو ہم سے جدا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ ایسے وفا شعار، خلافت سے اخلاص اور وفا کا تعلق رکھنے والے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والے جماعت کو عطا فرماتا رہے لیکن اس کا نقصان ایسا ہے جس نے ہلا کے رکھ دیا ہے۔ وہ پیارا وجود وقف کی روح کو سمجھنے والا اور اس عہد کو حقیقی رنگ میں نبھانے والا تھا جو اس نے کیا تھا۔ مجھے حیرت ہوتی تھی اسے دیکھ کر اور اب تک ہوتی ہے کہ کس طرح اس دنیاوی ماحول میں پلنے والے بچے نے اپنے وقف کو سمجھا اور پھر اسے نبھایا اور ایسا نبھایا کہ اس کے معیار کو انتہا تک پہنچا دیا۔ وہ بزرگوں کے واقعات پڑھتا تھا اس لیے نہیں کہ تاریخ سے آگاہی حاصل کرے اور ان کی قربانیوں پر صرف حیرت کا اظہار کرے بلکہ اس لیے کہ اسے اپنی زندگی کا حصہ بنائے۔

خلافت سے وفا اور اخلاص کا ایسا ادراک تھا کہ کم دیکھنے میں آتا ہے۔ بلکہ میں کہوں گا کہ ایسا تھا جسے بعض دین کا گہرا علم رکھنے والے بھی نہیں سمجھتے، بعض دفعہ ایسے لوگوں کا علم ان میں تکبر کی بُو پیدا کر دیتا ہے۔ بلکہ میں کہوں گا کہ بعض وہ بھی نہیں سمجھتے جن کا خیال ہے کہ ہم خلافت کے مقام اور اس کے وفا کے معیار کو سمجھتے ہیں۔ اس نے خلافت سے وفا کی اور ایسی وفا کی کہ اپنے آخری الفاظ میں جبکہ وہ موت وحیات کی حالت میں تھا اسے خلیفہ وقت سے پیار اور وفا کا ہی خیال تھا۔ اپنے بچوں اور اپنی فیملی کا سب کو خیال آتا ہے لیکن ہر دفعہ بار بار اپنے بچوں سے، فیملی سے پہلے یا ساتھ، خلیفہ وقت سے پیار کے اظہار کا شاید ہی کسی کو خیال آتا ہو۔

شاید دو تین سال پہلے اس نے ایک نظم لکھی تھی جو اس نے اپنے کسی دوست کو دی تھی کہ اپنے پاس رکھ لو اور کسی کو نہیں دکھانی، جو خلافت سے تعلق اور پیار سے متعلق لکھی ہوئی تھی اور اس نے شروع ہی اس طرح کیا تھا کہ میں خلیفۂ وقت سے سب سے زیادہ پیار کرتا ہوں اور ختم اس طرح کیا تھا کہ خلیفۂ وقت سے جو مجھے پیار ہے اور محبت ہے وہ انہیں کبھی پتہ نہیں چلے گی۔ لیکن اے پیارے طالع! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارے ان آخری الفاظ سے پہلے بھی مجھے پتہ تھا کہ تمہیں خلافت سے پیار اور محبت کا تعلق تھا۔ تمہارے ہر عمل سے، ہر حرکت و سکون سے، جب تمہارے ہاتھ میں کیمرہ ہوتا تھا اور میں سامنے ہوتا تھا تب بھی اور جب تم کیمرے کے علاوہ ملتے تھے، چاہے ذاتی ملاقات ہو یا دفتر کے کام سے، تمہاری آنکھوں کی چمک سے اس محبت کا اظہار ہوتا تھا۔ تمہارے چہرے کی ایک عجیب قسم کی رونق سے اس محبت کا اظہار ہوتا تھا۔ غرض کہ ہر طرح تمہارے ہر عمل سے یہ لگ رہا ہوتا تھا کہ کس طرح تم اس محبت کا اظہار کرو جو تمہیں خلیفۂ وقت سے ہے۔ مجھے شاید ہی کسی میں اس محبت کا اظہار نظر آتا ہو اور گھر میں مَیں ذکر کر رہا تھا کہ اب خاندان میں نوجوانوں میں تو مجھے ایسا اظہار کسی میں نظر نہیں آتا۔ دلوں کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے بلکہ بڑوں میں بھی شاید چند ایک میں ہی ہو۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حادثے کے بعد بہت سے اس معیار کے پیدا کر دے۔

طالع کا وجود جیسا کہ اس نے اپنی نظم میں ذکر کیا ہے ایسا تھا کہ وہ اس محبت کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ چھپانا چاہتا تھا لیکن نہیں چھپتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی رنگ میں اس تعلق کا اظہار کروا دیتا تھا اس لیے وہ مجھے بہت پیارا تھا۔ ہر وقت اس فکر میں رہتا تھا کہ کب خلیفہ وقت کے منہ سے کوئی بات نکلے اور میں اس پر عمل کروں اور صرف خود ہی عمل نہ کروں بلکہ کب اور کس طرح میں خلافت کے مقام کے بارے میں دنیا کو بتاؤں۔ کب خلافت کی حفاظت کے لیے جان کی قربانی بھی دینی پڑے تو جان کا نذرانہ بھی پیش کر دوں۔ پھر اپنے کام سے ایسا عشق کہ کم کم ہی دیکھنے میں آتا ہے۔

صرف اس لیے ہی اپنے کام سے عشق نہیں تھا کہ اپنے کام کو بہت پسند کرتا تھا اور لوگ بہت سارے ایسے ہیں جو پسند کرتے ہیں۔ ان کو بھی اپنے کام سے بہت عشق اور لگاؤ ہوتا ہے۔ اس کو اپنے کام سے اگر لگاؤ تھا تو اس لیے کہ اس ذریعہ سے میں اسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا دفاع کروں گا، اس لیے کہ یہ پیغام میں دنیا کو پہنچاؤں گا۔ اس لیے کہ میرا کام ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں۔ اس لیے کہ میں نے خلیفہ وقت کا مددگار بننا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی تدفین کے وقت جب میں مٹی ڈالنے سے پہلے قبر کے سرہانے کھڑا تھا تو میرے دائیں طرف آ کے کھڑا ہو گیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کون کھڑا ہے۔ اب تصویر دیکھی ہے تو پھر مجھے اندازہ ہوا ہے کہ کون تھا اور کیا موقع تھا لیکن اس تیرہ سالہ بچے نے شاید اس وقت یہ عہد کیا تھا کہ میں وقف نو ہوں اور اب میں نے خلیفہ وقت کا مددگار بننا ہے، دست راست بننا ہے اور پھر اس نے سالوں بعد اپنی تعلیم مکمل کر کے اس عہد کو پورا کیا اور نبھایا اور خوب نبھایا۔ جرنلزم میں بھی اس نے میرے مشورے سے داخلہ لیا تھا اور پھر تعلیم مکمل کی اور شہید ہو کر بتا گیا کہ میں خلافت کا حقیقی مددگار بنا ہوں۔ اے پیارے طالع! میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً تم نے اپنے وقف اور عہد کے اعلیٰ ترین معیاروں کو حاصل کر لیا ہے۔

کس کس طرح وہ خلیفۂ وقت کے الفاظ پر عمل کرنے کی کوشش کرتا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو جاتا ہے کہ میں نے بعض میٹنگز میں جو مربیان کے ساتھ تھیں انہیں کہا کہ مربیان کو کوشش کرنی چاہیے کہ کم و بیش ایک گھنٹے کے قریب تہجد پڑھا کریں تو عزیز طالع نے بعض مربیان کی طرح یہ سوال نہیں کیا کہ گرمیوں کی چھوٹی راتوں میں کس طرح اتنی جلدی جاگ کر ایک گھنٹے کے قریب تہجد پڑھ سکتے ہیں بلکہ اس نے عمل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے ایک دوست مربی نے ایک دن اسے بڑا تھکا ہوا دیکھا تو وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ خلیفۂ وقت نے مربیان کو ایک گھنٹے کے قریب تہجد پڑھنے کا کہا ہے۔ میں بھی تو وقف ہوں تو یہ حکم میرے لیے بھی ہے۔ آج تہجد کی وجہ سے پوری طرح سو نہیں سکا اس لیے تھکاوٹ لگ رہی ہے۔ اس مربی نے مجھے لکھا کہ اس کی بات نے مجھے سخت شرمندہ کیا کہ میں براہِ راست مخاطب تھا اور میں نے خلیفۂ وقت کی بات پر اس طرح عمل نہیں کیا اور اس نے محض ایک واقف زندگی کے عہد کو نبھانے کے لیے اس پر عمل کیا ہے۔ یہ تھا اس کا عہد نبھانے کا معیار۔ پس واقفین زندگی کے لیے بھی وہ ایک نمونہ تھا اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرد ہونے کی حیثیت سے خاندان کے افراد کے لیے بھی وہ وفا اور اخلاص کا ایک نمونہ قائم کر گیا۔ اب یہ افراد خاندان پہ منحصر ہے کہ کس حد تک وہ اس نمونے پر عمل کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے منسوب ہونے کا حق ادا کرتے ہیں۔ خاندان کی عزت یا جسمانی رشتہ داری سے کوئی مقام نہیں ملتا۔ اگر کوئی ان کی عزت کرتا ہے تو ان کی دنیاداری کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ کبھی ہو گی۔ حقیقی عزت اس میں ہے کہ دین کے خادم ہوں اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے ہوں ورنہ دنیاداروں میں تو کروڑوں لوگ مالی لحاظ سے ان سے بہتر ہیں اور جو دنیاوی لحاظ سے بہتر نہیں ان کے نزدیک بھی ان کی کوئی عزت نہیں ہے۔ پس میں خاندان کے افراد سے بھی کہتا ہوں کہ اس جانے والے سے نصیحت حاصل کریں اور اخلاص اور وفا میں بڑھیں اور جس طرح اس وفا کے پیکر نے اپنا عہد نبھایا اور دین کو دنیا پر مقدم کیا باقی افراد خاندان بھی اس نمونے کو دیکھیں اور یہی چیز عزت دلانے والی اور خدا تعالیٰ کے فضل کو حاصل کرنے والی ہے ورنہ دنیاداری اور دنیاوی خواہشات افراد خاندان کو معمولی سی بھی عزت نہیں دلا سکتیں۔ اگر اپنے عمل صحیح نہیں ہیں تو کسی بزرگ کا بیٹا ہونا یا کسی بزرگ کی بیٹی ہونا کوئی فخر کا مقام نہیں ہے۔

جیسا کہ میں نے کہا کہ واقفین زندگی کے لیے بھی حیرت انگیز نمونہ تھا۔ کبھی شکوہ نہیں کیا تھا کہ الاؤنس تھوڑا ہے، گزارہ نہیں ہوتا۔ جو ملتا اس میں شکر کر کے گزارہ کرتا۔ اگر کہیں سے کوئی زائد آمد ہو جاتی تو شکر گزاری کے جذبات سے لبریز ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے اس نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ کبھی مجھے تنگی نہ دینا اور پھر اللہ تعالیٰ نے بھی کبھی تنگی نہیں دی۔ باقاعدہ روزے رکھنے والا تھا۔ اس میں بے شمار خوبیاں تھیں۔ بعض لوگ جو قریبی دوست تھے، عزیز تھے، جو مجھے تعزیت کے خط لکھ رہے ہیں وہ اس کی بے شمار خوبیاں بیان کر رہے ہیں۔ ایسی ایسی خوبیاں جو میرے لیے بھی حیرت انگیز ہیں۔ میں اس کی وفا کو تو کچھ حد تک جانتا تھا لیکن اس کی نیکی اور تقویٰ کے معیار بھی بہت اونچے تھے۔ اس لیے مناسب ہے کہ میں اس کی سیرت کے بارے میں لوگوں کے الفاظ میں ہی بعض باتیں آپ کے سامنے رکھ دوں جس میں اس کی بیوی اور والدین اور بھائی بہنوں اور دوستوں کے جذبات ہیں اور بعض حقائق اور واقعات ہیں۔ عامر سفیر صاحب ریویو آف ریلیجنز کے ایڈیٹر کہتے ہیں چار سال تک طالع نے ریویو میں کام کیا، انڈیکسنگ ڈیپارٹمنٹ میں بطور آرکائیوٹیگنگ پراجیکٹ میں بطور نگران خدمت کی توفیق پائی۔ بہت بڑی ذمہ داری تھی جو اس نے سرانجام دی۔ ریویو آف ریلیجنز کے سو سال سے زائد عرصہ کا انڈیکس تیار کرنا، مختلف کیٹیگریز (Categories) کی فہرست تیار کرنا، الگ الگ موضوعات پر مضامین کو ترتیب دینا ایک بہت وسیع کام تھا جس پر انہوں نے بڑی محنت سے اور لگن سے کام کیا۔ گیارہ افراد پر مشتمل یہ ٹیم تھی۔ بہت محنت طلب کام تھا اور اللہ کے فضل سے سب نے اس کام کو سرانجام دیا جس کی نگرانی طالع نے کی۔ پھر کہتے ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ طالع بہت ساری صلاحیتوں کے مالک تھے۔ تنظیمی کام عمدگی سے بجا لاتے تھے۔ خدمت کا بہت زیادہ جذبہ اور لگن تھی۔ خلافت سے بے پناہ وفاداری اور پیار تھا۔ پھر کہتے ہیں ایک خوبی جس کا میں نے طالع میں مشاہدہ کیا وہ یہ ہے کہ وہ کسی پراجیکٹ کو گراؤنڈ زیرو سے شروع کر کے ایک جذبہ اور شوق کے

ساتھ قابلِ فخر چیز بنا دیتے تھے۔ کبھی اس بات کا انتظار نہیں کرتے تھے کہ کوئی انتظام انہیں کام کرنے کی ترغیب دے یا انہیں یاددہانی کروائے۔ ایک جنونی آدمی کی طرح آگے بڑھ کے کام کرتے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ جنون کی حد تک عزم اور اخلاص کے جذبہ سے دین کا کام کرتے ہیں۔ طالع کو دنیا کی پروا نہیں تھی۔ جب بھی جماعت اور خلافت کے لیے اسے خدمت کرنے کی توفیق ملتی تو محض یہی اس کے لیے سب کچھ تھا۔ پھر کہتے ہیں کہ جو کچھ میں نے دیکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کا سب کچھ خلافت کے گرد گھومتا تھا۔ خلیفۂ وقت کے ساتھ اپنا ایک ذاتی تعلق تھا لیکن جب کبھی میں اسے آپ کی کوئی ہدایت پہنچاتا تو منجمد ہو کر کھڑا ہو جاتا اور آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتیں جیسے کوئی بچہ Candy کی طرف دیکھتا ہے اور پھر آپ کی ہدایت پہنچانے کے لیے میرا شکریہ بھی ادا کرتا۔ پھر کہتے ہیں ایک ڈاکومنٹری کے بجائے دو دو ڈاکومنٹریز پر کام کرتا اور میں بہت حیران ہوتا تھا کہ دو ڈاکومنٹریز پر ساتھ ساتھ کس طرح کام کر لیتا ہے۔ بسا اوقات ہمیں پتہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ طالع کس ڈاکومنٹری پر کام کر رہا ہے۔ ہمیں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ طالع کی تحقیق کرنے کی صلاحیت بھی بہت اعلیٰ تھی۔

ایک اور اہم خوبی جو طالع میں پائی جاتی تھی وہ یہ تھی کہ ہمیشہ اپنی فیملی اور رشتہ داروں کو جماعت سے منسلک اور جماعت کی خدمت کرتے دیکھنا چاہتا تھا۔ جب میں اسے بتاتا کہ فلاں رشتہ دار نے ریویو میں فلاں سلسلہ میں یہ خدمت کی ہے یا کر رہا ہے تو بہت خوش ہوتا تھا۔

قدوس عارف صاحب صدر خدام الاحمدیہ کہتے ہیں کہ بچپن سے ہی میرا اس کے ساتھ تعلق تھا۔ کہتے ہیں میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ طالع نے حضرت ملک غلام فرید صاحب کی شارٹ کمنٹری (Short Commentary) میں نشان لگائے ہوئے تھے اور فائیو والیم کمنٹری (Five Volume Commentary) بھی اس نے بڑی تفصیل سے پڑھی تھی اور مختلف آیات ہائی لائٹ کی تھیں اور چٹیں لگائی ہوئی تھیں۔ فائیو والیم کمنٹری جو اس نے پڑھی ہے اس کی تفصیل بھی مَیں بتادوں۔ بی ایس سی کرنے کے بعد اس نے ایک سال گیپ ایئر (Gap Year) لیا تو اس وقت میں نے اسے وقفِ نَو کی کلاس میں کہا تھا اور اس کے بعد شاید دفتر میں ملاقات میں بھی کہ فائیو والیم کمنٹری پڑھو اور میرا خیال تھا کہ چند سال لگائے گا لیکن چند مہینوں کے بعد ہی آکر اس نے مجھے بتایا کہ میں نے تمام پڑھ لی ہے۔ حیرت ہوئی تھی مجھے اس وقت بھی یہ سن کے۔ اسی طرح وہ ایسی ڈاکومنٹریز بھی پروڈیوس کرتا جو نوجوانوں کو پسند ہوں۔ مثلاً فٹبال کے بارے میں ڈاکومنٹری بنائی جس میں تربیتی پہلو کو مدّنظر رکھا۔

پھر کہتے ہیں کہ ایم ٹی اے پر پروڈیوس کردہ ڈاکومنٹریز ایک سے ایک بڑھ کے ہے۔ کہتے ہیں مجھے یاد ہے کہ جب Brutality and Injustice: Two Trials in a Time نشر ہوا تو خاکسار نے طالع کو میسج بھیجا کہ ڈاکومنٹری بہت ہی ایمان افروز تھی۔ اس نے بڑی عاجزی سے یہی جواب دیا کہ ہمیں دعاؤں میں یاد رکھنا، یہ سب اللہ کا فضل ہے۔ ٹویٹر پر کسی نے ڈاکومنٹری کے نام پر اعتراض کیا تو اس پر طالع نے اس کا جواب دیا۔ کہتے ہیں میں نے اسے کہا تو اس نے کہا کہ چونکہ یہ نام خلیفۂ وقت نے خود منظور کیا تھا اس لیے میں نے اس کو ڈیفنڈ کیا ہے۔ اگر عابد یا میری طرف سے یہ نام ہوتا تو میں کبھی کچھ نہ کہتا لیکن خلیفۂ وقت نے اسے منظور کیا ہے تو اس لیے میں نے، بہرحال اس کی وضاحت کرنی ہے اور دفاع کرنا ہے۔ پھر کہتے ہیں پچھلے سال ورچوئل اطفال ریلی پر خاکسار نے مہتمم اطفال کے ذریعہ طالع سے درخواست کی کہ وہ اپنے کچھ واقعات جو آپ کے ساتھ، خلیفۂ وقت کے ساتھ ہیں، پیش کرے۔ پہلے تو راضی نہیں ہوا پھر جب اس کو صدر مجلس کی حیثیت سے کہا تو راضی ہو گیا اور یہ واقعات بھی بہرحال لوگوں کو بڑے پسند آئے۔ اطفال نے اس کو بڑا پسند کیا۔ اس نے پھر صدر خدام الاحمدیہ کو میسج کیا کہ میں سمجھتا تھا کہ میری ابھی اصلاح نہیں ہوئی کہ لوگوں کو نصیحت کروں اور واقعات سناؤں۔ میرا ارادہ تھا کہ جب میری اصلاح ہو جائے یا میں بڑھاپے میں موت کے قریب ہوں تو اس وقت یہ واقعات بتاؤں گا اور اس وقت تک یہی میرا خیال تھا کہ خاموشی سے وقت گزاروں گا لیکن تم نے مجھ سے یہ کہلوا دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو پتہ تھا کہ اب وہ وقت ہے کہ وہ یہ واقعات شیئر کرے۔

ان کی اہلیہ عزیزہ سطوت کہتی ہیں۔ بہت پیار کرنے والا تھا۔ بہت شفقت کا سلوک کرنے والا تھا بچوں کے ساتھ بھی میرے ساتھ بھی۔ بڑا شفقت کا اظہار تھا۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کو Appreciate کرتا تھا۔ کھانا چاہے جیسا بھی ہو اس کو پسند کرتا تھا۔ کہتی ہیں میرے والد کی شہادت کے بعد جلدی Engagement بھی ہو گئی، منگنی بھی ہو گئی تو میں ذرا پریشان رہتی تھی۔ کہتی ہیں مجھے باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے اداسی بھی بہت تھی لیکن رشتہ کے بعد طالع نے میرا بہت خیال رکھا اور مجھے محسوس نہیں ہونے دیا۔ کہتی ہے جب میری منگنی ہو گئی تو میں سوچتی تھی کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت ہے۔ ویسے تو جوان تھا لیکن بچوں کی طرح روتا تھا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کرتا تھا۔ بیٹے طلال کو بھی

آنحضورؐ کے بارے میں کہانیاں سناتا تو ہچکیاں لے کر روتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت کہانیاں پتہ تھیں، واقعات رٹے ہوئے تھے۔ اس بارے میں بھی اَوروں نے بھی بہت سارا لکھا ہے کہ اس کو تاریخ کا بھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بھی بڑا گہرا علم تھا۔ کہتی ہے کہ مجھے کہتا تھا کہ طلال کا ایک کرسچن سکول ہے۔ جب میں سکول جاتا ہوں تو راستے میں اسے سورہ اخلاص دوہراتا جاتا ہوں کہ تم میرے پیچھے دوہراتے جاؤ۔

خلافت سے محبت بھی بہت تھی اور اس کی بہت غیرت بھی تھی۔

بعض چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں لیکن اخلاص کا پتہ دیتی ہیں۔ کہتی ہیں کہ اتنا خوش ہوتا تھا جب اس کو یہ لگتا تھا کہ آپ اس سے خوش ہیں یا اس کے بیٹے سے خوش ہیں۔ ہمیشہ ملاقات کے بعد ٹریٹ دیا کرتا تھا یا طلال کو چاکلیٹ دیتا تھا کہ بڑے اچھے بچے بن کے تم رہے ہو یا ہمیں آئس کریم وغیرہ کھلانے لے جاتا۔ اس بات پر خوش ہوتا تھا کہ خلیفہ وقت کے سامنے آج تم نے بہت اچھا Behave کیا ہے اور یا ہماری ملاقات بہت اچھی ہوئی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ کہتی ہیں کہ بعض دفعہ اس کو یہ خیال ہوتا تھا کہ میں نے کسی بات کو ناپسند کیا ہے۔ یہ خیال ہی ہوتا ہو گا، مجھے نہیں یاد کہ کبھی ایسا کوئی واقعہ ہوا ہو۔ تو کہتی ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ جب کبھی یہ خیال اس کو ہوا کہ خلیفہ وقت نے کسی بات کو ناپسند کیا ہے تو تہجد میں رو رو کے اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگا کرتا تھا اور بچوں کی طرح بلک بلک کے روتا تھا اور یہی اس کو ڈاکومنٹریز بنانے کے بعد فکر ہوتی تھی کہ خلیفۂ وقت کی طرف سے اس کی منظوری آجائے اور This week والا پروگرام بھی جب اس نے شروع کیا تو بہت خوش تھا کہ اس کی وجہ سے اس کو موقع مل رہا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ میرے دفتر میں آ کے میرے سے ریکارڈنگ کر سکے۔ پھر یہ کہتی ہیں کہ اس میں بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ اس نے اپنے دین کو دنیا سے پہلے رکھا۔

بالکل غیر مادیت پسند تھا۔ کبھی اس نے کسی چیز کی خواہش نہیں کی۔ کبھی اس کے دل میں Material چیزوں کے لیے لالچ نہیں تھی۔ کبھی اس کو دنیا کی چیزوں میں دلچسپی نہیں تھی۔ کوئی اس کو مہنگا تحفہ دے دیتا تو گھبرا جاتا تھا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز آ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بہت شکر کرتا تھا کہ جو بھی اس کو دیا ہے اسی پر وہ خوش تھا اور جو کچھ اس کے پاس تھا اس پر وہ قانع تھا۔ کہتا تھا کہ بچپن میں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ پڑھا تھا کہ ان کے ساتھ مالی معاملات میں کیسا سلوک ہوتا تھا تو کہتا تھا کہ میں نے فوراً پڑھ کر اللہ میاں سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تُو نے مجھے بھی اسی طرح ٹریٹ کرنا ہے اور اس کو پکا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر لی ہے اور ہمیشہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحبؓ کی طرح کا سلوک ہو گا اور یہ واقعی سچ ہے۔ کہتی ہے میں نے یہ خود دیکھا ہے کہ جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی تھی تو اچانک اس کے پاس پیسے آ جاتے تھے۔ کہتی ہیں ابھی حال ہی میں دس سال بعد ایک لون (Loan) کمپنی نے اس کو فون کیا کہ ہمارے پاس تمہارا ایک ہزار پاؤنڈ ہے۔ اس کو اتنی خوشی تھی کہ میں اپنی گاڑی کی انشورنس pay کر سکتا ہوں اور گاڑی کی Maintenance کی جو ضرورت ہے وہ پوری کر سکتا ہوں۔ یہ نہیں کہ اب میں جماعت سے لوں۔ کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا پیار کا سلوک میں نے خود بھی دیکھا ہے۔ انہوں نے ایک تو سلوک کا واقعہ بیان کیا ہے لیکن وہ اپنا واقعہ بھی بیان کرتا ہے کہ جب میں یونیورسٹی میں سٹوڈنٹ تھا جو تقریباً دس سال پرانی بات ہے۔ کہتا ہے ایک دفعہ مجھے سخت بھوک لگی اور میرے پاس پیسے نہیں تھے۔ بالکل ختم ہو گئے تھے پیسے۔ میں نے نماز پڑھی۔ جب سلام پھیرا تو دیکھا کہ بستر کے نیچے دس پاؤنڈ پڑے ہوئے تھے۔ کہتا تھا کہ میں حیران تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پیسے مجھے بھیجے ہیں۔ اس میں اعتماد بھی بہت تھا۔ میں نے کہا کہ لوگ کچھ کر لیتے ہیں مالی لحاظ سے تیاری وغیرہ لیکن اس کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے لیے رزق مہیا کر دے گا۔ اس لیے مجھے بلاوجہ دنیا کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنا وقف نبھاؤں۔ پھر یہ کہتی ہیں کہ جب ہم پہلے کرائے کے گھر میں تھے اور ہمارا Tenancy Agreement ختم ہوا اور کونسل بل، بجلی کے بل وغیرہ کے بارے میں کونسل نے لکھا کہ تمہارے اکاؤنٹ میں کچھ زیادہ پیسے ہیں، دو سو تین سو پاؤنڈ ہیں، تو فوراً اس نے کہا میں جماعت کو واپس کروں گا حالانکہ جماعت نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ اس طرح تم Strictly فالو کرو اور پیسے واپس کرو لیکن اس نے برداشت نہیں کیا۔ اس نے کہا یہ میں نے جماعت کو واپس کرنے ہیں اور کہا کہ جماعت پر بوجھ نہیں بننا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر ہو سکتا تو یہ سب مفت میں کرتا اور کبھی اس کو پسند نہ تھا کہ جماعت پر بوجھ بنے یا جماعت سے کوئی چیز Request کرے۔ آخر میں بھی اس کو یہی فکر تھی کہ جماعت کا میں اتنا مہنگا سامان لے کر افریقہ جا رہا ہوں کس طرح خیال رکھوں گا اور اس کو اپنی کوئی پروا نہیں تھی۔

مہمان نواز بہت تھا۔ اپنی فیملی اور میری فیملی کا ہمیشہ خیال رکھا کرتا تھا۔ سادہ کپڑے ہمیشہ ہوتے تھے۔ کہتی ہیں کہ مجھے لگتا ہے کہ بعض لوگ اس کو Misunderstand کرتے تھے یا سمجھتے تھے کہ شاید اس میں تکبر ہے یا منہ پھٹ ہے لیکن وہ تو ایسا Confident تھا وہ پیار سے ایسی باتیں کر جایا کرتا تھا۔ تکبر ان میں

بالکل نام کو بھی نہیں تھا۔ طالع بہت معاف کرنے والا تھا اور ہر کسی کی پردہ پوشی کرتا تھا اور کبھی کسی کے خلاف دل میں بات نہیں رکھتا تھا۔

ان کے والد لکھتے ہیں کہ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے ہمارے بیٹے کو خاص فضل و کرم کے ساتھ شہادت کے لیے چن لیا۔ کہتے ہیں ایک خواب کی بنا پر میں نے ذہنی طور پر اپنی بیگم کو اور طالع کو تیار کرنا شروع کیا اور جب طالع کو یہ خواب سنائی تو اس نے کہا کہ کیا آپ نے خواب دیکھی ہے کہ آپ شہید ہو گئے ہیں؟ کہتے ہیں میں بڑا حیران ہوا۔ اس سے پوچھا تمہیں کس طرح پتہ لگا؟ اس نے کہا میں نے بھی یہ خواب دیکھی ہے کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ تو بہر حال یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹے کو اپنے باپ سے جس قدر محبت کی اجازت دی ہے، طالع اس عشق و عقیدت کی حد کو پہنچا ہوا تھا اور میرا خیال ہے کہ اسی وجہ سے اس نے یہ دعا کی ہو گی کہ باپ کی شہادت کی بجائے اسے شہادت کا درجہ ملے اور کیونکہ وہ اس مقام کا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے شہادت کا درجہ دے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ہی شہادت دی اور اس نے گولی لگنے کے بعد مشنری صاحب کو یہ بھی کہا تھا کہ چاہے میں زندہ رہوں یا مر جاؤں میں نے اپنا مشن مکمل کر لیا ہے۔

کہتے ہیں کہ بچپن سے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں پھونک دیا تھا کہ میں نے تجھے ایک خاندان میں پیدا تو کر دیا ہے اب اس کی ذمہ داری کو بھی سمجھنا اور اس ذمہ داری کو نبھانا اور جان لو کہ تمہاری زندگی اب تمہاری نہیں ہے۔ یہ میری ہے اور صرف میرے حکم پر چل کر تم نے یہ ساری زندگی گزارنی ہے۔ کہتے ہیں کہ طالع نے اپنی زندگی اور اپنی موت سے یہ مہر کر دی کہ اس نے ذمہ داری کا حق ادا کر دیا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ ایسا نفس تھا جس کے دل میں کوٹ کوٹ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور اپنے پیاروں کی محبت بھری ہوئی تھی۔ ایک ایسا دل تھا کہ بچپن سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور ذکر پر اس کے معصوم لب لرزتے تھے اور آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔ ایک پاکباز نفس جس میں کسی برائی کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ ظاہری و باطنی خوبصورتی بھی تھی اور مشابہت دینی ہے تو کہتے ہیں میں حضرت یوسفؑ سے مشابہت دیتا ہوں، کردار میں بھی اسی طرح پختہ تھا۔ اس کی روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں چودہ سو سال قبل کی مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں پھرتی تھی اور اس کا جسم پیکر عشق تھا۔ اس کا اوڑھنا بچھونا، کھانا پینا، سانس لینا سب خلیفۃ المسیح کے لیے تھا۔

ان کی والدہ امۃ الشکور صاحبہ لکھتی ہیں کہ بہت خوش قسمت اور خوش نصیب ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک عظیم الشان بچے سے نوازا۔ طالع کے ساتھ اکتیس سالہ زندگی دنیا کی سب سے بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے۔ پھر انہوں نے کسی خاتون کی خواب کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے دیکھا تھا کہ ایک بچہ جھولے میں ہے اور اس کے ہاتھ باسکٹ سے باہر آرہے ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ انہوں نے بچے کو السلام علیکم کہتے ہوئے سنا۔ اس کے ساتھ ایک نیلے رنگ کا کارڈ تھا جس پر عربی میں 'اللہ' لکھا ہوا تھا اور ساتھ انگریزی میں God۔ وہ بتاتی تھیں کہ میرا خیال ہے کہ نیلے رنگ سے مراد لڑکا ہے۔ یہ طالع کی پیدائش سے پہلے کسی خاتون نے خواب دیکھی اور ان کو بتایا تھا۔ انہوں نے خواب ظاہر کیا کہ تمہارے ہاں لڑکا پیدا ہو گا اور جہاں جہاں یہ لڑکا جائے گا امن اور سلامتی پھیلائے گا۔

بہر حال کہتی ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے خوبصورت اور پیارے بچے سے نوازا اور کہتی ہیں کہ ہم دونوں نے جب یہ پندرہ سال کی عمر کا تھا تو 2005ء میں ہم دونوں نے اکٹھے وصیت کی تھی۔ دین کے معاملات میں بہت ہوشیار تھا۔ کہتی ہیں تین سال کی عمر میں اس نے قرآن کریم کی کچھ سورتیں یاد کر لی تھیں۔ اپنی والدہ کو بتایا تو بڑی حیران ہوئیں۔ پھر کہتی ہیں یہ بھی مجھے یاد ہے کہ تین سال کی عمر میں مَیں تبلیغ کی باتیں اس سے شیئر کیا کرتی تھی اور بڑی سنجیدگی سے وہ باتیں میرے ساتھ شیئر کرتا تھا یا بتاتا تھا، Discuss کرتا تھا۔ پڑھائی میں بھی بہت اچھا تھا۔ بڑے اچھے نمبر لیتا تھا۔ کہتی ہیں میری خواہش تو یہ تھی کہ ڈاکٹر بنے لیکن اللہ تعالیٰ کا کچھ اور Plan تھا۔ بائیو میڈیکل سائنسز کی ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے جرنلزم میں ماسٹرز کی توفیق دی۔ کہتی ہیں کہ بیٹے کے انتقال کے بعد مجھے اس بات کا پہلے سے زیادہ احساس ہوا ہے کہ اسے آپ کے ساتھ کس قدر محبت تھی۔ کہتی ہیں آپ نے جب اسے ایم ٹی اے کے لیے تاریخی ڈاکومنٹریز بنانے کا کام دیا تو یہ بھی ہدایت دی تھی کہ بے شک تم Independent ہو کر کام سرانجام دو اور وہ اس بات سے بڑا متاثر تھا، Inspired تھا۔ کہتی ہیں ان کی بیوی سطوت نے مجھے بتایا کہ 2019ء میں اس نے اسے، سطوت کو ای میل پر آٹھ پروگراموں کے بارے میں ایک Plan بھیجا اور جس میں ساتھ لکھا کہ اگر مجھے کچھ ہو جائے تو ان پروگراموں کو مکمل کر لینا متعلقہ لوگوں تک پہنچا دینا۔

اس کی ہمشیرہ ندرت کہتی ہیں کہ طالع کے ساتھ رہنے کے بعد میں نے اس کی جماعت کے کاموں کے لیے لگن کو پہچانا۔ دین کی خدمت میں مصروف رہنے کی وجہ سے اکثر دیر سے گھر لوٹتے۔ یہاں یونیورسٹی میں پڑھنے آئی تھی تو ان کے پاس رہتی رہی تھی۔ کہتی ہیں کبھی رات دس بجے کے بعد کبھی آدھی رات کے بعد گھر آنا اور کھانا کھانا پھر کام پہ لگ جانا۔ چھٹی کے دن بھی اس کے لیے حقیقت میں کوئی چھٹی

نہیں ہوتی تھی جب تک کہ جماعت کا کام ختم نہ ہو جائے۔ ہمیشہ بہت جوش اور جذبے سے جماعتی کام میں مصروف رہتا۔ فارغ وقت میں اکثر ڈاکو منٹریز اور ویڈیوز دیکھتا رہتا تو میں نے کبھی کسی کو کسی پروگرام کو اتنی گہرائی میں دیکھتے اور تجزیہ کرتے نہیں دیکھا جیسے کوئی مطالعہ کر رہا ہے اور پوچھنے پر کہتا کہ اپنے ہنر میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے لیے بہت ساری دستاویزی فلموں اور ویڈیوز کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ جماعت کے لیے مواد تیار کر کے عمدہ اور معیاری تاریخی ڈاکو منٹریز تیار کرنے کا ملکہ اس کے اندر بہت زیادہ تھا۔

دین کا علم بھی بہت وسیع تھا۔

اگر اسلامی تعلیمات کے حوالے سے کسی باریک سے باریک پہلو کے متعلق میرے ذہن میں کوئی سوال اٹھتا تو اکثر میرا دھیان اس کے متعلق ان سے بات کرنے کی طرف جاتا۔ احادیث کا گہرا مطالعہ تھا۔ کہیں نہ کہیں سے کوئی ایسی حدیث پیش کر دیتا جس کو اکثر لوگ نہیں جانتے تھے اور ساتھ اس کا حوالہ بھی بتا دیتا۔ مختلف موضوعات پر قرآنی آیات کا حوالہ بھی دے دیتا۔ ہر طرح کی گفتگو پر تبصرہ کر لیتا۔ بحث کے دوران اتنے وثوق کے ساتھ اپنے نکات بیان کرتا کہ دوسروں کے پاس انہیں قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہتا تھا۔ عربی زبان کا بھی مطالعہ تھا اور اس میں کافی گرفت حاصل کرنے کی اس نے کوشش کی۔ اس کی گرائمر سے بھی آشنا تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اس کی اصل زبان میں سمجھنا چاہتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ اس نے عربی کا مطالعہ اتنی گہرائی میں کیسے کیا ہے؟ تو اس نے مجھے بھی مختلف نکات پر مشتمل ایک جامع فہرست بھیجی اور میری راہنمائی کی۔ اس فہرست میں چھبیس اسباق اور بہت سارے نکات الگ تھے اور بہت ساری ترکیبیں بھی تھیں۔ ان تمام ذہنی صلاحیتوں کو طالع نے صرف خدا کا قرب حاصل کرنے اور جماعت کی خدمت کے لیے استعمال کیا۔ کہتی ہیں دو خوابیں بالخصوص ایسی ہیں جن کے بارے میں طالع نے مجھے براہ راست بتایا کہ ایسا لگتا ہے کہ اس میں اس کی شہادت کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی خواب طالع نے اپنے بیٹے طلال کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے بتائی کہ طلال کو اپنے والدین میں سے کسی ایک کے مرنے کا شدید خوف تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ چچا قادر کی شہادت کے بارے میں جانتا تھا۔ یہ بات بتاتے وقت طالع قدرے سنجیدہ ہو گیا اور اپنی آواز آہستہ کر لی۔ کہتی ہیں اس خواب کی تفصیل میری یادداشت میں پوری طرح واضح نہیں ہے لیکن طالع کہتے ہیں کہ اس میں مجموعی پیغام جو تھا وہ یہ تھا کہ میں اپنے سسر کی طرح کچھ واقعہ ہونے کا دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن میں نے یہ خواب دیکھی ہے جس میں اس طرح کا ذکر تھا کہ اس سے ملتا جلتا کوئی واقعہ ہو گا۔ طالع نے خواب میں یہ دیکھا کہ خدام الاحمدیہ کے کپڑے پہنے ہوئے ہے اور جھنڈا اٹھائے جنت میں داخل ہو رہا ہے اور ہر کوئی اسے اپنے سسر کے نام سے پکار رہا ہے کہ مرزا غلام قادر آ گیا۔

دوسری خواب طالع کے ایک پیغام کی صورت میں میرے پاس محفوظ ہے۔ جب میں حمل کے دوران بیمار تھی اور کافی سنجیدہ حالت ہو گئی تھی۔ کئی دفعہ ہسپتال میں داخل کیا گیا تو مجھے بار بار فون کرتا اور میرا حال پوچھا کرتا اور تسلی دلاتا۔ اس وقت اس نے اپنی ایک خواب کا ذکر کیا کہ اس کی بہنیں اس کے انتقال کے بعد زندہ رہیں گی اور کہتا ہے کہ کچھ سال پہلے ایک خواب دیکھی تھی جہاں میں جنت میں داخل ہو رہا ہوں اور وہاں میرے رشتہ داروں کی طرف سے ایک خوش آمدید پارٹی کا انتظام کیا گیا ہے۔ میں فوت ہونے پر کافی حیران ہوں اور پریشان ہوں کہ میری چھوٹی بہنیں مجھ سے پہلے نہ کہیں انتقال کر جائیں۔ اس لیے میں نے ادھر ادھر دیکھا تو ان میں سے کسی کو وہاں موجود نہیں پایا۔ اس نے اپنی بہن کو کہا کہ اگر یہ خواب سچا ہے تو تم فکر نہ کرو۔ ڈاکٹروں نے بڑی سنجیدہ صورتحال بتائی ہے لیکن فکر نہ کرو اگر میری یہ خواب سچی ہے تو تم ٹھیک ہو جاؤ گی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ سب کچھ ٹھیک بھی ہو گیا۔ کہتی ہیں مجھے طالع کی ذہانت پر بھی فخر ہے۔ خلافت سے اس کی محبت بھی بے مثال تھی۔

ان کی چھوٹی بہن کہتی ہیں کہ بہترین رول ماڈل تھے۔ مجھے ان سے کئی باتیں سیکھنے کا موقع ملا۔ کہتی ہے جب میں تیرہ چودہ سال کی تھی تو ایک دن ان کے گھر میں طالع نے چاہا کہ وہ مجھے پسندیدہ سورت پڑھ کے سنائے۔ چنانچہ اس نے مجھے سورۂ یوسف کی تلاوت سنائی جو کہ نہایت عمدہ لہجے اور بہت خوش الحانی سے کی تھی۔ یہ بھی کہتا تھا کہ خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کا درس القرآن سنتا رہتا ہوں۔ دفتر آتے جاتے یہ درس سنتا رہتا تھا۔ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اسے کوئی لطیفہ سنایا جس میں عیسائیت کا ذکر تھا اور مذہب کی وجہ سے کچھ تھوڑا عیسائی مذہب کا استہزا کیا گیا تھا تو اس نے مجھے کہا کہ ہمیں کسی مذہب کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے۔ اس طرح لوگ بھی ہمارے خلاف بولیں گے۔

عابد وحید مرکزی پریس سیکرٹری ان کے رشتہ دار بھی ہیں۔ اس کے ماموں، وہ کہتے ہیں کہ طالع کے ساتھ میرا رشتہ خاص تھا۔ صرف ایک رشتہ ہی نہیں تھا بلکہ بہت سارے رشتوں پر مشتمل رشتہ تھا۔ ماموں بھی اس کا مَیں لگتا تھا لیکن ہمارے درمیان عمر کا زیادہ فرق نہیں تھا۔ وہ میرے لیے ایک چھوٹے بھائی اور دوست کی طرح تھا۔ صرف سات سال کا فرق تھا۔ کہتے ہیں میں نے ہمیشہ طالع میں یہ بات

محسوس کی اور مشاہدہ بھی کیا کہ اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان سے بے پناہ محبت تھی۔ لیکن اگر خاندان کے اندر سے کسی نے کبھی کوئی غلط کام کیا ہوتا تو بہت زیادہ درد اور غم محسوس کرتا تھا کیونکہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلیفۂ وقت کو بدنام کرنے والی بات ہوتی ہے۔ محبت تو تھی لیکن یہ نہیں کہ ان لوگوں سے اندھی محبت ہے۔ پھر دکھ درد بھی ہوتا تھا اور برداشت نہیں ہوتا تھا کہ کوئی خاندان والا ایسی حرکت کرے جس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام، خاندان کا نام اور خلیفۂ وقت کا نام بدنام ہو۔ کہتے ہیں کہ اکثر میرے ساتھ اس طرح کے مسائل پر گفتگو کرتا اور اس کی آواز میں ہمیشہ درد واضح ہوتا تھا۔ اگرچہ اسے مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کا ایک رکن ہونے پر فخر تھا لیکن یہ اعزاز اس کے لیے ایسا نہیں تھا کہ دوسروں کے سامنے اعلان کرتا پھرے یا اس سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے اور بہت سارے لوگ اس کو اس حوالے سے جانتے بھی نہیں تھے۔ ایم ٹی اے نیوز میں کام کرنے کے چند مہینوں بعد کہتے ہیں طالع میرے پاس آیا اور کہتا ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ ایم ٹی اے نیوز کو ایم ٹی اے میں بہت معمولی سا سیکشن سمجھا جاتا ہے اور ایم ٹی اے میں لوگ کھلے عام یا اپنے رویے کے ذریعہ سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ایم ٹی اے نیوز ایم ٹی اے کا سب سے کمزور شعبہ ہے لیکن طالع نے اس کمزوری کو اپنا مشن بنالیا اور پُراعتماد ہو کر کہتا تھا کہ ان شاء اللہ جب کام مکمل ہو جائے گا تو لوگ ایم ٹی اے نیوز کو بہت دلچسپی سے دیکھا کریں گے اور کہیں گے کہ ایم ٹی اے میں بہترین پروگرام ایم ٹی اے نیوز والا ہے۔ یہ میرا چیلنج ہے اور میں نے اسے قبول کر لیا ہے۔ اس کے بعد طالع نے کچھ دستاویزی فلمیں بنائیں اور پھر اَور پروگرام شروع کیے اور کہتے ہیں دستاویزی فلموں کی تیاری کے دوران اکثر میں نے دیکھا ہے کہ اٹھارہ یا انیس گھنٹے کام کرتا۔

حالیہ افریقہ کا جو دورہ تھا وہ بنیادی طور پر اس وجہ سے تھا کہ میں نے اسے ہدایت کی تھی اور اس کے پیش نظر وہی تھا کہ شعبہ نیوز جو ہے نصرت جہاں سکیم کے بارے میں افریقہ جا کر ایک دستاویزی فلم بنائے۔ پروگرام کے مطابق پہلے گھانا جانا تھا، پھر سیرالیون اور پھر گیمبیا۔ پھر یہ بھی اس کی خاطر تیار ہو کے گیا تھا کہ نصرت جہاں کے اوپر ڈاکومنٹری بنائے گا۔ افریقہ جانے سے پہلے طالع نے پورے اہتمام کے ساتھ ہر چیز کی تیاری کی۔ تفصیلی سفرنامہ تیار کیا اور مکمل شیڈیول بنا کے روزانہ کا پروگرام تیار کیا تاکہ کوئی وقت ضائع نہ ہو۔ حقیقت میں اس نے بہت سنجیدگی کے ساتھ یہ تیاری کی تھی۔ کہتے ہیں کہ اکثر طالع کی رائے میں اور میری رائے میں اختلاف ہو جاتا تھا اور میں جب بھی اس سے بحث شروع کرتا تو چند منٹ کے بعد میں ہار مان لیتا کیونکہ مَیں جانتا تھا کہ جب تک میں اس کی بات پر یقین نہ کر لوں وہ بحث جاری رکھے گا، دلیلیں دیتا رہے گا۔ تاہم کہتے ہیں ایک بات میں نے اس میں دیکھی ہے کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ خلیفۂ وقت کی رائے یہ ہے تو وہ کہتا تھا کہ اگر حضور کی رائے میری رائے سے تھوڑی سی بھی مختلف ہے تو میں پورے دل سے قبول کروں گا کہ میں بالکل غلط ہوں۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب پر یہ ڈاکومنٹری بنا رہا تھا تو اس کی کزن جو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی پڑپوتی لگتی ہے نے اسے کہا کہ ابا جان والی ڈاکومنٹری بھی بہت اچھی بنانا، روز روز نہیں بنتی، تو اس نے کہا کہ میرا نہیں خیال کہ اتنی اچھی ہو گی کیونکہ وہ براہ راست خلیفہ کے بارے میں نہیں ہے لیکن اللہ کرے لوگوں کو پسند آ جائے۔ تو یہ تھا اس کا خلافت سے تعلق۔

مرزا طلحہ احمد نے بھی لکھا ہے کہ چودھری ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ پر بھی ایک ڈاکومنٹری بنانے کا ارادہ کر رہا تھا جس کے لیے اس نے مجھے بھی کچھ کام دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھی ڈاکومنٹری بنایا کرتا تھا۔ اس کو سکرپٹ رائٹنگ اور story telling میں مہارت حاصل تھی۔

Adam Walker صاحب لکھتے ہیں (غالباً آدم واکر صاحب ہی ہیں) کہ طالع کو میں بچپن سے جانتا ہوں۔ ہم نے اکٹھے خدام الاحمدیہ میں اور پھر بعد میں مرکزی پریس آفس اور ایم ٹی اے میں کام کیا ہے۔ ایم ٹی اے سے متعلقہ کاموں میں خصوصاً میں نے یہ بات نوٹ کی کہ طالع ہمیشہ نہایت باریک بینی سے کام کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ بہت گہرائی میں جا کر معاملات دیکھتا تھا۔ اگر اس کے ذہن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ یا خلیفہ وقت کے ارشادات اور ہدایات کو لوگوں تک پہنچانے کے بارے میں کوئی خیال پیدا ہوتا تھا تو بلا جھجک مجھ سے بات کرتا اور اپنے خیالات کا اظہار کرتا۔ اس بارے میں سوچتا کہ مختلف آن لائن ذرائع سے پیغام کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ہدایات کو گہرائی میں جا کر سمجھتا تھا اور پھر اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتا تھا۔ ہمیشہ سچ بولنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اگر کوئی مشورہ دینا ہوتا یا اپنی رائے کا اظہار کرنا ہوتا تو ہمیشہ سچائی کے ساتھ بات بیان کرتا۔ الفاظ میں کبھی ملاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ دوسرے کارکنان کے ساتھ کام کرتے ہوئے بھی انہیں ہمیشہ سچا فیڈ بیک دیتا۔

نسیم باجوہ صاحب لکھتے ہیں کہ 2001ء سے 2009ء تک بریڈ فورڈ میں بطور مبلغ متعین تھا۔ اس دوران ہارٹلے پول جماعت میں بھی جایا کرتا تھا۔ کہتے ہیں: میں نے بطور طفل اسے نہایت شوق سے پروگراموں میں شامل ہوتے دیکھا ہے۔ وقت کا پابند، سنجیدہ، ذہین، دینی معلومات کو بڑھانے کا شوق رکھنے والا، نمازوں کو ٹھہر ٹھہر

کر ادا کرنے والا، فرمانبردار، مہمان نواز، بڑوں کا احترام کرنے والا، خلیفۂ وقت سے محبت کرنے والا اور ان کی باتوں کو شوق سے سننے والا، ذمہ داریوں کو احسن رنگ میں ادا کرنے والا، غور و فکر کرنے والا، ذکرِ الٰہی کرنے والا، تبلیغ کے کاموں کو شوق سے کرنے والا، قرآن کریم کو خوبصورتی سے پڑھنے والا طفل تھا۔ بعد میں نوجوانی میں خوبیاں اَور بھی نکھر کر سامنے آئیں۔ اس کی ایک کزن ہیں مبارکہ رحمان۔ وہ کہتی ہیں کہ طالع کی ایک خوبی جو میں نے ہمیشہ محسوس کی وہ اس کی وقف زندگی کی حیثیت سے قناعت اور سادگی تھی۔ بہت دفعہ خدا کے اپنے اوپر فضلوں کو گنواتا تھا۔ کبھی اس میں دنیا کی کسی قسم کی لالچ نہیں دیکھی بلکہ جب اس کے سامنے دنیاداری کی بات ہوتی تو اپنے خاص انداز میں ہنستا اور شکر کرتا تھا کہ وقف ہونے کی وجہ سے خدا نے اس کو ان سب معاملات سے بے پروا کر دیا ہے اور اس کی ہر ضرورت کو خدا نے خود ہی پورا کر دیا ہے۔ حقیقی وقف زندگی تھا۔

پھر ان کے ایک دوست اور مربی نوشیروان رشید کہتے ہیں: مجھے پچھلے تین سال سے طالع بھائی کے ساتھ ایم ٹی اے نیوز میں کام کرنے کا موقع ملا۔ تین سال کے عرصہ میں طالع نہ صرف میرے کولیگ (Colleague) تھے بلکہ استاد بھی تھے اور اس سے بڑھ کر دوست اور بھائی تھے۔ کہتے ہیں میں نے تین سال کے عرصہ میں طالع کو باقاعدگی سے جمعرات کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ اپنی پنجوقتہ نمازوں کا بہت خیال رکھتے ہوئے دیکھا۔ وقت سے پہلے مسجد جاتے اور اس بات کو بھی میں نے دیکھا کہ چندہ جات کی وقت سے پہلے ادائیگی کیا کرتے تھے۔

بہر حال واقعات تو بہت سے ایسے ہیں اور بہت لوگوں نے لکھا ہے لیکن وقت کی رعایت سے کچھ میں نے بیان کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جسمانی اور روحانی آل ہونے کا حق بھی اس نے ادا کر دیا اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں سے تھا تو محرم کے مہینہ میں اس کو بھی قربانی کے لیے چنا۔ ایک ہیرا واقف زندگی تھا جیسا کہ میں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند سے بلند تر کرتا چلا جائے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جگہ دی ہو گی بلکہ کسی نے اس کی وفات کے بعد خواب بھی دیکھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ کھڑے ہیں اور طالع دوڑتا ہوا جا کر ان سے چمٹ جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے ساتھ اسے چمٹا کر کہتے ہیں کہ آؤ میرے بیٹے، خوش آمدید۔

پس کیا ہی خوش قسمت ہیں وہ جو دین کی خاطر قربانی کر کے اس مقام کو پا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے بیوی بچوں کا بھی حافظ و ناصر ہو اور انہیں صبر اور حوصلہ دے۔ اس کے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو بھی صبر اور حوصلہ دے اور اس کے بہن بھائیوں میں بھی، اس کی اولاد میں بھی اس کی نیکیوں کو جاری رکھنے کی توفیق دے۔

نماز کے بعد ان شاء اللہ آج اس کا جنازہ بھی ہو گا۔ جنازہ آ چکا ہے۔

(الفضل انٹرنیشنل 24 ستمبر 2021ء صفحہ 5 تا 10)

~❀~❀~❀~

شہادت کے پھول

قادر، طالع اور لطیف ہو یا کوئی اور ماضی، حال ہو کوئی اور زمانہ ہو

کھِلتے رہیں گے پھول شہادت کے قدسیؔ ربوہ ہو لاہور ہو یا پھر گھانا ہو

عبدالکریم قدسیؔ

قابلِ رشک شہادت اور قابلِ تقلید زندگی

جمیل احمد بٹ

سید طالع احمد شہید کی 23، 24 اگست کی درمیانی رات بحالتِ مسافرت غانا میں اندوہناک شہادت، جہاں ایک بڑا سانحہ ہے۔ وہیں اور کئی لحاظ سے یہ صد قابلِ رشک بھی ہے۔ ساتھ ہی اپنی حیرت انگیز خوبیوں کے سبب شہید کی زندگی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم قوتِ قدسیہ کا ایک اعجاز اور ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

خلیفۂ وقت سے محبت

خلیفۂ وقت سے محبت ہر احمدی کا مزاج ہے لیکن یہ نصیبوں کی بات ہے کہ کوئی اس محبت کو اپنے وجود پر حاوی کر کے زندگی کا مقصد بنا لے اور پھر اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے ایسی اعلیٰ دینی خدمات اور قربانی کی توفیق پائے اور ایسے درجہ کو پہنچ جائے کہ وہ خود خلیفۂ وقت کی محبت اور پیار کا ایسا مورد بن جائے کہ اس کے سانحۂ شہادت پر حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ ایک دکھی دل کے ساتھ اس کی خود سے اور اس سے اپنی محبت کا ذکر فرمائیں اور اس جوان شہید کے ذکر پر ستر منٹ کا خطبہ ارشاد فرمائیں۔ یہ شہادت بلاشبہ قابلِ صد رشک ہے کہ کوئی جانے والا اس سے بڑھ کر اور کیا اعزاز پائے گا کہ مجملہ خلیفۂ وقت اس کے حق میں یہ فرمائیں کہ

'فکر تھی اسے تو جماعتی اشیاء اور اموال کی۔ اور جو محنت کی تھی جماعتی تاریخ کو محفوظ کرنے کی اور اس کی حفاظت کی'۔

'ایک ہیرا تھا جو ہم سے جدا ہو گیا'۔

'اللہ تعالیٰ ایسے وفا شعار، خلافت سے اخلاص اور وفا کا تعلق رکھنے والے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والے جماعت کو عطا فرماتا رہے'۔

'لیکن اس کا نقصان ایسا ہے جس نے ہلا کر رکھ دیا ہے'۔

'وہ پیارا وجود، وقف کی روح کو سمجھنے والا اور اس عہد کو حقیقی رنگ میں نبھانے والا تھا جو اس نے کیا تھا'۔

'مجھے حیرت ہوتی تھی اسے دیکھ کر اور اب تک ہوتی ہے کس طرح اس دنیوی ماحول میں پلنے والے بچے نے اپنے وقف کو سمجھا اور پھر اسے نبھایا اور ایسا نبھایا کہ اس کے معیار کو انتہا تک پہنچا دیا'۔

'خلافت سے وفا اور اخلاص کا ایسا ادراک تھا کہ کم دیکھنے میں آتا ہے'۔

'اس نے خلافت سے وفا کی اور ایسی وفا کی کہ اپنے آخری الفاظ میں جبکہ وہ موت و حیات کی حالت میں تھا اسے خلیفۂ وقت سے پیار اور وفا کا ہی خیال تھا'۔

' اے پیارے طالع! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارے ان آخری الفاظ سے پہلے بھی مجھے پتہ تھا کہ تمہیں خلافت سے پیار اور محبت کا تعلق تھا۔ تمہارے ہر عمل سے، ہر حرکت و سکون سے... تمہاری آنکھوں کی چمک سے اس محبت کا اظہار ہوتا تھا۔ تمہارے چہرہ کی ایک عجیب قسم کی رونق سے اس محبت کا اظہار ہوتا تھا'۔

'مجھے شاید ہی کسی میں اس محبت کا اظہار نظر آتا ہو'۔

'میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حادثہ کے بعد بہت سے اس معیار کے پیدا کر دے'۔

'وہ مجھے بہت پیارا تھا'۔

'اے پیارے طالع! میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً تم نے اپنے وقف اور عہد کے اعلیٰ ترین معیاروں کو حاصل کر لیا ہے'۔

'آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جسمانی اور روحانی آل ہونے کا حق بھی اس نے ادا کر دیا'۔

'ایک ہیرا واقفِ زندگی تھا'۔

'امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے آنحضرت ﷺ کے قدموں میں جگہ دی ہو گی'۔

'کیا ہی خوش قسمت ہیں وہ جو دین کی خاطر قربانی کر کے اس مقام کو پا لیتے ہیں'۔

'حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم قوتِ قدسیہ کا ایک اظہار'

روحانی آل ہونے کے ساتھ شہید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جسمانی آل بھی تھے۔ 31 سال کی کم عمر میں تعلق کی بڑی منازل سر کر کے شہید کی اللہ تعالیٰ سے محبت، تعلق، ایقان، توکل اور بھروسہ اور اللہ کا ان کی دست گیری، فضل اور سچے خوابوں کی نعمت کی عطا۔ آنحضرت ﷺ سے والہانہ محبت، آپ کی یاد میں بچوں کی طرح رونا، آپ کی یاد سے زبان تر رکھنا، روح کا عالم فراق میں چودہ سو سال پہلے کی مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں پھرنا اور اہل خانہ کو اس محبت کا درس

قرآن کریم سے محبت، خوبصورت تلاوت، علوم قرآنی کے حصول کی سعی اور بچے کو اس کا درس

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیغام کو عام کرنے کی لگن، جوش اور جذبہ اور اس کے لئے ان تھک محنت اور جدوجہد اور بالآخر جان نذر

خلیفۂ وقت سے بے پناہ محبت، کامل اطاعت اور ہر آن حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب اور خواہش

جوانی میں یوسفی رنگ، دنیا سے بے رغبتی اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی مثال

یہ سب اس زندہ ایمان کا مظہر ہے جس کا پیدا کرنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی بعثت کا مقصد فرمایا تھا۔ اتنے زمانی فاصلے کے باوجود شہید میں اس ایمان کا یہ اعلیٰ اظہار حضرت مسیح موعود کی عظیم قوت قدسیہ کا ایک اور ثبوت ہے۔

خلیفۂ وقت سے محبت کا اظہار

شہید جس طرح خلیفۂ وقت سے محبت کا اظہار کرتے تھے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے نوجونوں اور بڑوں میں ویسے اظہار کی کمی کا ذکر فرمایا ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سے اس معیار کے پیدا کر دے۔ یہ ارشاد سب کے لئے اس راہ میں مزید آگے بڑھنے کی تحریک ہے۔ دلی محبت سے برضا و رغبت حضور کے ارشادات پر عمل، حضور کی خوشنودی کے حصول کی ہمہ وقت خواہش اور اس کے مطابق اعمال کی بجا آوری، دمکتے چہروں اور چمکتی آنکھوں کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضری اور محبت آمیز الفاظ کے ساتھ مخاطبت اور تحریر، یہ سب محبت کا اظہار ہیں اور ہمیں پہلے سے بڑھ کر اپنانے ہیں۔

واقفینِ زندگی کے لئے نمونہ

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے شہید کے بارے میں فرمایا کہ

'اپنے کام کو ختم کرنے کے لئے اور صرف ختم کرنے کے لئے نہیں بلکہ معیار کے مطابق پہنچانے کے لئے ایک غیر معمولی جوش اور جذبہ ہوتا تھا اور اس کے لئے وہ کسی خطرہ کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے'۔

'ہر وقت اس فکر میں رہتا تھا کہ کب خلیفۂ وقت کے منہ سے کوئی بات نکلے اور میں اس پر عمل کروں'۔

'اپنے کام سے ایسا عشق کہ کم کم ہی دیکھنے میں آتا ہے'۔

'واقفینِ زندگی کے لئے بھی وہ ایک نمونہ تھا'۔

اس حوالے سے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے شہید کی جو اور خوبیاں ذکر فرمائیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

خلیفۂ وقت کا مددگار اور دست راست بننا،

ایک گھنٹہ تہجد پڑھنا،

جو الاؤنس ملتا اس میں شکر کر کے گزارا کرنا

ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

'وہ جنون کی حد تک ایک عزم اور اخلاص کے جذبے سے دین کا کام کرتے ہیں'۔

حضور کی ہدایات کو ایسی دلچسپی سے سننا جیسے کسی بچے کا کینڈی کو تکنا۔ جماعت سے کوئی مطالبہ نہ کرنا بلکہ بلا کسی اجر خدمت کرنے کی خواہش رکھنا۔ کوئی چھٹی نہ کرنا۔ جوش اور جذبہ سے جماعتی کام میں مصروف رہنا۔ ضرورت پر 18/19 گھنٹے کام کرنا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام اور ارشادات کو عام کرنے کی ترکیبیں سوچتے رہنا۔ باقاعدہ جمعرات کا روزہ رکھنا۔

نیکی اور تقویٰ کے معیار

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ اللہ بہت سے اس معیار کے پیدا کر دے۔ یعنی وفا شعار، خلافت سے اخلاص اور وفا کا تعلق رکھنے والے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والے۔ شکر گزار اور دعا گو اور نیکی اور تقویٰ کے اعلیٰ معیار رکھنے والے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے شہید کی جو اور خوبیاں ذکر فرمائیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

بزرگوں کے واقعات کو پڑھ کر اپنی زندگی کا حصہ بنانے والا۔ ہر وقت اس فکر میں رہتا تھا کہ خلیفۂ وقت کے منہ سے کوئی بات نکلے اور میں اس پر عمل کروں۔ گھر میں چھوٹی سے چھوٹی چیز کو appreciate کرنا۔ کھانا جیسا بھی ہو پسند کرنا۔ بچوں کو آنحضرت ﷺ کے واقعات سنانا۔ دین کو دنیا سے پہلے رکھنا۔ سب کو معاف کرنا اور پردہ پوشی کرنا۔ ہمیشہ سچ بولنے کو ترجیح دینا۔ ایک خوبی قناعت اور سادگی تھی۔ وقت سے پہلے مسجد آنا۔ چندے وقت سے پہلے ادا کرنا۔

اطفال کے لئے مثال

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی تدفین کے موقع پر شہید آپ کے دائیں ہاتھ آن کھڑا ہوا۔ نیز فرمایا: 'تیرہ سالہ بچے نے شاید اس وقت یہ عہد کیا تھا کہ خلیفۂ وقت کا مددگار بننا ہے۔ دستِ راست بننا ہے'۔

اس کم عمری میں یہ سوچ شہید کے جذبۂ خدمت کی عکاس ہے۔ بطور طفل بھی اس کا طرز عمل مثالی تھا جیسا کہ اس بیان سے ظاہر ہے جو ایک مربی صاحب نے تحریر کیا اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ اس کے مطابق شہید نہایت شوق سے پروگراموں میں شرکت کرنے والا۔ وقت کا پابند، سنجیدہ اور ذہین۔ دینی معلومات کو بڑھانے کا شوق رکھنے والا۔ نمازوں کو ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنے والا۔ فرمانبردار، مہمان نواز، بڑوں کا احترام کرنے والا۔ خلیفۂ وقت سے محبت کرنے والا اور ان کی باتوں کو شوق سے سننے والا۔ ذمہ داریوں کو احسن رنگ میں ادا کرنے والا۔ غور و فکر کرنے والا۔ ذکرِ الٰہی کرنے والا۔ تبلیغ کے کاموں کو شوق سے کرنے والا۔ اور قرآن کریم کو خوبصورتی سے پڑھنے والا طفل تھا۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا ہے کہ بہت سے شہید جیسے پیدا ہوں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو اور اس چراغ سے بے شمار چراغ اور روشن ہو جائیں بلکہ سب ہی شہید کے ہم رنگ ہو جائیں اور خلیفۂ وقت کی اس تمنا کے پورا ہونے کا سامان ہو۔ آمین۔

بالیقیں تجھ سے راضی خدا ہو گیا

امۃ الباری ناصر

وہ خلافت پہ یکسر فدا ہو گیا | حق یہی ہے کہ حق تو ادا ہو گیا
میں تو واقف نہ تھی پیارے طالع سے پَر | آج لگتا ہے بیٹا جدا ہو گیا
پیارے آقا کے الفاظ پر رشک ہے | ایک ہیرا تھا ہم سے جدا ہو گیا
خود خلیفہ نے دی ہے گواہی تری | اس شہادت سے رتبہ سِوا ہو گیا
آلِ ہاشم بھی تھا اور سید بھی تھا | با صفا' با رضا' با وفا ہوگیا
ذکر خطبے میں اس شان سے جو سنا | جو جہاں تھا مجسم دعا ہو گیا
وقف کی راہ میں کیسا سچا تھا وہ | کار خدمت میں بالکل فنا ہوگیا
نقش پا اس کے منزل پہ لے جائیں گے | عاشقوں کے لئے رہنما ہو گیا
قابلِ رشک ہے خوش نصیبی تری | بالیقیں تجھ سے راضی خدا ہو گیا
خاندانِ مسیحا کا خوں مل گیا | ارض غانا کا رُتبہ بڑا ہو گیا

شاہنامۂ شہید

طالع شہید اپنے محبوب آقا سے

بچپن

خدایا! تُو نے اس انساں کو کتنا حُسن بخشا ہے
کہ میں نے جب سے دیکھا ہے یہ میرے دل میں بستا ہے
پر اُس کے لاکھوں عاشق ہر دم اُس کو گھیرے رہتے ہیں
مِرے دل میں مِرے جذبات دب کر سہمے رہتے ہیں
اور اِن عشاق کی دیوار کا قد کتنا اونچا ہے
میں بچہ ہوں، مِرا جذبہ بھی بچہ، دل بھی بچہ ہے
کہیں ایسا نہ ہو رہ جائے میرا عشق نادیدہ
کہ وہ پوشیدہ مجھ سے اور میں اس سے ہوں پوشیدہ

نوجوانی

میں اس دنیا کی رونق میں اگرچہ دل لگاتا ہوں
مگر لگتا نہیں دل، اور میں بجھتا ہی جاتا ہوں
مجھے اُس خوبرو کی یاد جینے ہی نہیں دیتی
مِرے نَوعمر دل کے چاک سینے ہی نہیں دیتی
مِرا قد اور قامت حوصلہ دینے لگے مجھ کو
حصارِ عاشقاں کی سمت لے جانے لگے مجھ کو
ہر اِک دیوار سے گزروں گا، اُس کے پاس جاؤں گا
اور اُس محبوب کو جا کر میں حالِ دل بتاؤں گا

جوانی

حصارِ عاشقاں سے میں گزر آیا، تو یہ جانا
کہ ہر کوئی ہے اُس کے عشق میں سرمست و دیوانہ
سو میں نے حالِ دل کو اپنے دل میں ہی دبا ڈالا
مگر آنکھوں کو خیرہ کر گیا اِک نور کا ہالہ
اُسی لمحے مِرے محبوب نے میری طرف دیکھا
اور اُس لمحے میں جی اٹھی مِرے ہاتھوں کی ہر ریکھا
مجھے ایسا لگا، میں اس گھڑی میں مر گیا جیسے
کوئی تازہ لہو میرے بدن میں بھر گیا جیسے

تمہاری اِک نظر سے اِک نیا انسان پیدا تھا
اور اِس انساں کی نظروں میں جہانِ نَو ہویدا تھا

وقفِ زندگی

قسم اُس وقت کی جب تُو نے مجھ پر اِک نظر ڈالی
مجھے ایسا لگا اب دل ہے میرا خوف سے خالی
قسم کھا لی، کہ حسن و عشق سے آگے نکلنا ہے
کہ جیسے تُو کہے ویسے زمانے کو بدلنا ہے
میں اِس رستے میں چاہے ٹوٹ کر بے جان ہو جاؤں
میں تیری اِک نظر کے واسطے قربان ہو جاؤں
اُٹھا، اٹھ کر حصارِ عاشقاں سے میں پرے نکلا
ترے نقشِ قدم کے ہر نشاں کو ڈھونڈنے نکلا
تُو آخر کون ہے، تیرا پتہ معلوم کرنا ہے
کہاں سے آیا ہے، وہ راستہ معلوم کرنا ہے
ترے اِس حُسن کی کرنوں کی بنیادیں کہاں پر ہیں؟
جو درپردہ ہیں ماضی میں، وہ سب یادیں کہاں پر ہیں؟

شہادت

تری دُھن میں اکیلا گھومتا میں دُور آ نکلا
یوں تیرے نقشِ پا کو ڈھونڈتا میں دُور آ نکلا
میں اُس بستی میں پہنچا جس میں تجھ پر نُور اترا تھا
وہ جس بستی میں تیرے دل پہ کوہِ طور اترا تھا
اِسی ارضِ بلالی میں ملی تھی روشنی تجھ کو
یہیں پر فاقہ مستی میں ملی تھی زندگی تجھ کو
تہی دامن تھا، اِس بستی کو کچھ بھی دے نہ سکتا تھا
بس اِک معصوم عاشق دل، کہیں پہلو میں رکھتا تھا
مِرے پیارے! میں جو بھی کر سکا پھر کر دیا میں نے
ترا نقشِ قدم اپنے لہو سے بھر دیا میں نے

محبوب آقا اپنے پیارے طالع سے

انتخابِ خلافت

خُدایا! تُو نے کس منصب پہ مجھ کو لا بٹھایا ہے
میں تنہا تھا مجھے دنیا کے آگے لے کے آیا ہے
مِرے مولا! ترے انداز بھی کیسے نرالے ہیں
ہزاروں کام اِک لمحے میں مجھ کو سونپ ڈالے ہیں
مگر دل کو یقیں ہے تُو مجھے تنہا نہ چھوڑے گا
ترا وعدہ ہے نصرت کا سو تُو وعدہ نہ توڑے گا

آغازِ سفر

میں سجدے سے اٹھا تو ساتھ میرے ایک لشکر تھا
اور اُن کے چہروں پر لکھا ہوا روشن مقدر تھا
کوئی تحریر کا ماہر، کوئی تقریر میں یکتا
ریاضی میں کوئی قابل، کوئی تاریخ کا رسیا
کسی کو عصرِ حاضر کے علوم و فن ودیعت تھے
کسی کو سب زبانی یاد احکامِ شریعت تھے
میں اُن کو دیکھتا تھا اور خدا کا شکر کرتا تھا
خدا بھی میرے دل کو بے بہا تسکیں سے بھرتا تھا
اسی لشکر میں یکدم اِک مجھے گوشہ نظر آیا
اور اُس گوشے میں بس اِک نوجواں تنہا نظر آیا
وہ بچہ تھا مگر اُس کی نظر میں داستانیں تھیں
اور اُس کے ننھے بال و پر میں شاہیں کی اڑانیں تھیں

تیز رفتار ترقی

مجھے لشکر کو لے کر اگلی منزل کو نکلنا تھا
کہیں رفتار بڑھنی تھی، کہیں رستہ بدلنا تھا
سو میں ہر دم نئی منزل، نئے رستے کو جاتا تھا
مگر ہر اِک پڑاؤ پر وہ بچہ یاد آتا تھا
کہ جیسے کہہ رہا ہو، ”مجھ کو بھی لشکر میں لے جائیں
خبر کیا، ناتواں سے بال و پر بھی کام آجائیں“
خدا نے میرے ماہ و سال میں رفتار یوں بھر دی
کہ جیسے اِک گھڑی کی قید میں ہو اِک صدی کر دی
سپاہ اِک، روز میرے ساتھ شامل ہوتی جاتی تھی
نئے چہروں کی صورت میں خدا کی نصرت آتی تھی

طالع کا وقف

نئے چہروں میں اِک چہرہ مجھے اِک دن نظر آیا
وہی ننھا سپاہی تھا جو میداں میں اُتر آیا
وہ مجھ سے کہہ رہا تھا اب مجھے بھی ساتھ لڑنا ہے
بتائیں کون سی تلوار سے کب وار کرنا ہے
سو میں نے اُس کو سب سے قیمتی شمشیر دے دی تھی
اور اُس کے ہاتھ میں قرآن کی تفسیر دے دی تھی
وہ اِس شمشیر کو ہر وقت سر آنکھوں پہ رکھتا تھا
اِسی سے عشق کے میدان کو تسخیر کرتا تھا
مِرے لشکر مِری نظروں کے آگے بڑھتے جاتے تھے
اُسے درپردہ بڑھنے کے انوکھے ڈھنگ آتے تھے
محبت کے نئے انداز کی اُس نے طرح ڈالی
کہ کیسے پیچھے چل کر فوج کی کرتے ہیں رکھوالی
سپاہی تھا! مِرے ہر حکم کو ملحوظ رکھتا تھا
وہ میرے نقشِ پا کا عکس بھی محفوظ رکھتا تھا
اُسے دھن تھی کہ میں نے جو کہا محفوظ ہو جائے
مِرا گزرا ہوا کل بھی کہیں امروز ہوجائے

شہادت

وہ میرے گزرے کَل کی دھن میں اِک بستی میں جا نکلا
وہاں یادوں کا اِک صندوق ماضی میں دبا نکلا
وہ اِس صندوق کو ماضی سے باہر لانا چاہتا تھا
حفاظت سے اٹھائے ساتھ لے کر آنا چاہتا تھا
وہ اِس صندوق میں رکھی ہوئی یادوں سے جا لپٹا
جو مجھ سے عشق تھا، اس عشق کے وعدوں سے جا لپٹا
اسی حالت میں وہ سچا سپاہی لَوٹ کر آیا
وہ عاشق، عشق کے صندوق میں بند ہو کے گھر آیا
میرے پیارے! بھلا ایسے ثبوتوں کی ضرورت تھی؟
ہمیشہ سے عیاں مجھ پر تری زندہ محبت تھی!
سپردِ خاک کر کے عشق کو آزاد کرتے ہیں!
اب اِس صندوق سے تازہ جہاں آباد کرتے ہیں!
قسم تیرے لہو کی! یہ لہو ضائع نہ جائے گا
ہر اِک قطرہ محبت کے نئے گلزار لائے گا
ترے نقشِ قدم کو ڈھونڈنے ابدال آئیں گے
کئی طالع اٹھیں گے! اور کئی طلال آئیں گے!

آصف محمود باسط

پیارے طالع کی یاد میں

فائزہ نعمان

"ایک ہیرا تھا جو ہم سے جدا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے وفا شعار خلافت سے وفا اور اخلاص کا تعلق رکھنے والے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والے جماعت کو عطا فرماتا رہے" (خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت مرزا مسرور احمد، خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز 3 ستمبر 2021ء)

کیا ہی خوبصورت خراجِ تحسین ہے جو سید طالع احمد کو نصیب ہوا۔ 23 اور 24 اگست کی درمیانی شب اپنے فرائض منصبی ادا کرتے ہوئے گھانا میں جامِ شہادت نوش کرنے والا یہ وجود اللہ کی خاص رحمت کا وارث بنا ہمیشہ کی زندگی پا گیا گو کہ ہماری نظر سے اوجھل ہے۔ خاندانِ مسیح موعود علیہ السلام کی یہ دوسری شہادت ہے۔ یہ ہونہار، ہر دلعزیز مثالی واقف زندگی انسان کی خوبیاں جب امام وقت بیان فرما رہے تھے تو مجھے فخر ہو تا تھا اس نوجوان پر اور دل سے دعا نکلتی تھی کہ اے خدا تیرا کس طرح شکر کروں۔ میں تیری اس جماعت کی ایک ادنیٰ سی خادم ہوں جہاں ایسے بے مثال نوجوان ہیں کہ جن کے کردار کی چمک تو دنیا کے کسی لعل و جوہر سے کم نہیں۔ ایسے ہیروں کی چمک تو آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔

خلیفۂ وقت کے الفاظ میں پیارے طالع کے لیے محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دیکھا۔ درد۔ محبت شکر و صبر اور خدا کے احسان میں ڈوبے ہوئے الفاظ۔ پس کیا ہی خوش نصیب نوجوان ہے، جس کے بارے میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں: "میرے پیارے طالع میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں" اس پیارے بچے پر رشک ہوا اور اُس کے لیے دعائیں دل کی گہرائیوں سے نکلیں۔ کیسا پیارا وجود تھا جو آسمان پر وہ مقام رکھتا تھا جس کی جستجو لوگ ساری زندگی کرتے ہیں۔ جس کی خواہش کے لیے ساری عمر گریہ وزاری کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو آسمان پر جانے جاتے ہیں پہچانے جاتے ہیں۔ آسمان پر عزت دار یہی لوگ ہوتے ہیں۔

طالع احمد کو خدا تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے زندگی عطا فرمادی میں اکثر ایم ٹی اے پر ڈاکیومنٹری دیکھا کرتی تھی تو سوچا کرتی تھی کہ جس نے بھی یہ کام کیا ہے بہت ہی بے مثال اور اتنا دلچسپ بنایا ہے کہ بار بار دیکھنے کو دل چاہتا ہے اور بہت ہی مفید معلومات ہیں۔ خاص طور پر ایک ڈاکیومینٹری 4 Days Without a Shepherd اتنی دلچسپ اور پیاری ہے کہ دل نہیں بھرتا۔ اور ایمان تازہ ہوتا ہے۔ مگر ان سب پروگراموں کو جو طالع احمد کے تیار کردہ ہیں دیکھنے سے بات سمجھ آتی ہے اور یہ احساس شدّت پکڑتا ہے کہ طالع کو خلافت سے بے انتہا محبت تھی۔ سارے پروگرامز میں خلافت سے والہانہ عشق نمایاں ہے۔ ایسا عشق کہ جس کی تکمیل میں وہ اعلیٰ مقام پا گیا۔ باغِ مسیحؑ کے گلشن کا ایسا پھول تھا کہ جب جب سورج کی کرنیں پڑتی رہیں پہلے سے زیادہ شاداب اور ترو تازہ ہو تا چلا گیا۔

سعید روحوں کی یہی نشانی ہوتی ہے کہ ہر آنے والا دل خدا کے فضلوں سے ان کو معطر کرتا چلا جاتا ہے۔ ایسے خوش نصیب کم ہی ہوتے ہیں وہ پیارا طالع ان ہی سعید روحوں میں سے تھا دل کو اس کا ذکر پیارا لگتا ہے۔ خلیفۂ وقت جب اس کی خلافت سے وفا شعاری بیان فرما رہے تھے تو ہر احمدی اُس کی خوش نصیبی پر نازاں تھا۔ کسی شاعر نے ہم سب کے جذبات کی کیا خوب عکاسی کی ہے ؎

ذکر اس کا حبیب لگتا رہا
اپنے دل کے قریب لگتا رہا
رشک آتا ہے طالع احمد پر
راضی اُس سے خطیب لگتا رہا

صبح کے وقت ہر احمدی تلاوتِ قرآن کریم کرے

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے فرمایا:

"قرآن کریم سے اتنا پیار کرو کہ اتنا پیار تمہیں دنیا میں کسی اور چیز سے نہ ہو۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ جماعت اِس طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہو رہی... ہر احمدی کا گھر ایسا ہونا چاہئے کہ اس میں رہنے والا ہر فرد جو اس عمر کا ہے کہ وہ قرآن کریم پڑھ سکتا ہو صبح کے وقت اس کی تلاوت کر رہا ہو"۔ (الفضل 19 فروری 1966ء)

جہاد بالقلم کی تحریک

النور کے منیجمنٹ بورڈ کے صدر مکرم انور خان صاحب نے ایک ای میل کے ذریعے صدر لجنہ یو ایس اے کو مجلّہ النور کے لیے مضامین لکھوانے کے بارے میں تحریک کی۔ جس پر مکرمہ صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ یو ایس اے نے سیکرٹری تعلیم صاحبہ کو خواتین سے متعلقہ موضوعات پر لکھوانے کی ذمہ داری دی۔ خواتین کے مقام، کردار، ذمہ داریوں اور بچوں کی تربیت کے حوالے سے حقیقی اسلامی تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی اشد ضرورت ہے، ہمیں ان متنوع مضامین کے بارے میں مستند حوالوں کے ساتھ اچھے مضامین لکھنے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ الحمدللہ ہمیں اس تحریک کے نتیجے میں مضامین موصول ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ جن میں سے چند شامل اشاعت ہیں۔

درج ذیل عناوین کے علاوہ بھی لکھنے والے مفید اور دلچسپ موضوعات پر مضامین لکھ کر بغرض اشاعت بھجوائیں اس سے مجلہ کا معیار بلند ہو گا، ان شاء اللہ۔

1. عورتوں کے حقوق از روئے قرآن
2. پردہ۔ کیوں، کیسے، کب، کہاں، پردہ کے عظیم فوائد
3. حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی کہ یورپ ایک دن اسلامی پردے کی خوبیوں کو اپنائے گا۔ جس کی ایک مثال سویڈن میں نظر آئی ہے جہاں موسیقی کے تہواروں میں مردوں اور عورتوں کو الگ بٹھایا گیا اس واقعہ کا ذکر حضور انور ایدہ اللہ نے بھی کیا ہے۔
4. مسلم خواتین کے لیے تعلیم کے مواقع وسیع ہیں، مثالیں ہمارے پیارے امام نے پیش کی ہیں۔
5. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، خلفائے راشدینؓ، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور خلفائے کرام کی زندگی سے خواتین کے ساتھ حسن سلوک کے واقعات اور ارشادات
6. "نصف دین عائشہؓ سے سیکھو" کا کیا مفہوم ہے؟
7. عورتوں کے لیے دو اور مردوں کے لیے ایک گواہی کیوں مقرر ہے؟ افسانہ یا حقیقت؟
8. کن حالات میں مرد اپنی بیوی کو مار سکتا ہے؟ اس میں حکمت کیا ہے؟
9. کیا عورت کو آدم کی پسلی سے پیدا کیا گیا تھا؟
10. مرد کو خاندان پر قوام کیوں بنایا گیا ہے؟ کیا عورت زندگی کے کسی موڑ پر قوام ہو سکتی ہے، اگر ہاں تو کب؟
11. کیا بچوں کی تربیت صرف خواتین کی ذمہ داری ہے، اگر نہیں تو مرد کا کیا کردار ہے؟
12. کیا عورت کام کر سکتی ہے اور اپنے لیے پیسے بچا سکتی ہے بغیر مرد کی شراکت کے؟
13. وراثت کے قوانین کیا ہیں اور وہ دوسرے مذاہب یا سیکولر تنظیموں سے کیسے ممتاز ہیں؟
14. اُمہات المومنینؓ کی سیرت
15. حضرت اماں جانؓ کی سیرت
16. سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اسلام میں عظیم خواتین اسکالرز
17. دنیا میں احمدی خواتین کی بنائی ہوئی مساجد
18. خواتین کے اسلام قبول کرنے کی کہانیاں
19. خواتین کے حقوق کا موازنہ پانچ مغربی ممالک میں اسلام کے ساتھ کیا جاتا ہے
20. میڈیا کا صحیح استعمال

جزاکم اللہ احسن الجزا

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ھبۃ الوحید غنی

اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہترین رفیق اور غم گسار اہلیہ کا تھا۔ آپ ایک مقدس اعلیٰ مرتبہ اور اثر ورسوخ رکھنے والی خاتون تھیں جن کو ان کے بلند اخلاق اور پاکبازی کی وجہ سے نہ صرف اس دنیا میں طاہرہ کا خطاب حاصل ہوا بلکہ اللہ ربّ العزّت نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آپؓ کو سلام بھیجا چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ خدیجہ برتن میں کچھ لا رہی ہیں آپ ان کو خدا کا اور میرا اسلام پہنچا دیں اسی طرح ایک اور موقع پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کو جنت میں موتیوں کے گھر کی بشارت سنا دیجئے۔ (استفادہ از سیدۃ النساء حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ص 5- از مولانا دوست محمد شاہد صاحب مؤرخ احمدیت)

ہمارے پیارے آقا سید الکونین خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین معاون اور مددگار شریک حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا مقام و مرتبہ کس قدر بلند وبالا تھا اور بھلا کیوں نہ ہو! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی سرور کائنات رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم خیال اور ہر موقع پر ان کی ڈھارس بندھانے والی اور روح کو تسکین پہنچانے والی زوجہ محترمہ تھیں۔

آپ مکہ کے ایک اعلیٰ مرتبہ اور امیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ بیوہ تھیں اور آپ کے والد کا انتقال ایک جنگ میں ہو گیا تھا۔ آپ خود تجارت سنبھالتی تھیں اور مکہ کی کامیاب اور مشہور تاجر تھیں۔ ہمارے پیارے آقا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت 25 سال کے تھے جب حضرت خدیجہؓ نے ان کو سفر تجارت پر ایک غلام میسرہ کے ساتھ بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی، دیانت داری اور اعلیٰ اخلاق نے حضرت خدیجہؓ کو اس قدر متأثر کیا کہ آپؓ نے اپنی سہیلی کے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی کا پیغام بھیجا۔ آپ کے اس فیصلے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ مضبوط ارادہ خاتون، آزادانہ فیصلے کرنے والی اور کامل فراست کی حامل تھیں۔ آپ نے شادی کا یہ فیصلہ دنیاوی شان و شوکت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض تقویٰ کی بنیاد پر کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آنے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عقیدت اور محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھتی چلی گئی آپؓ ہمیشہ ان کے لیے باعث تسکین و مسرت رہیں۔ آپؓ نے اپنا تمام تر مال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپؐ سخت گھبراہٹ میں گھر لوٹے اور تمام واقعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتایا حضرت سیدہ نے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد تسلی دی اور اطمینان دلایا۔ ”اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی رسوا نہیں کرے گا“ (بحوالہ سیدۃ النساء حضرت خدیجۃ الکبریٰ ص 13- از مولانا دوست محمد شاہد صاحب مؤرخ احمدیت) حضرت خدیجہؓ کی یہ شہادت نہ صرف یہ ظاہر کرتی ہے کہ آپ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی عقیدت اور ان کی صداقت پر کس قدر یقین تھا بلکہ اس کے علاوہ یہ بھی بتاتی ہے کہ آپ کو دین کا کس قدر فہم وادراک حاصل تھا۔

آپ سمجھ چکی تھیں کہ خدا تعالیٰ آپ کے شوہر کو نبوت کے مرتبے سے نواز چکا تھا۔

آپ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر پہلے لمحے سے کامل یقین تھا۔ اعلان رسالت کے بعد جب اہل مکہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشتعل ہو گئے تو حضرت خدیجہؓ نے ہر مقام پر آپ کی بھرپور حمایت کی۔ جیسے آپ کے مال سے اسلام کو ابتدائی دور میں مالی استحکام نصیب ہوا اسی طرح آپ کے اثر و رسوخ سے بہت سے سیاسی مسائل بھی حل ہوئے۔

آپ نے اسلام کے ابتدائی ایام کی تمام صعوبتوں اور مشکلات میں مخلص اور فدائی دین مصطفیٰؐ ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ آپ نے اسی ثابت قدمی سے وہ وقت بھی گزارا جو آپ کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شعب ابی طالب میں گزارنا پڑا۔ وہ تین سال کا عرصہ کسی ابتلاء سے کم نہ تھا یہ معاہدہ ختم ہوا تو آپ مسلسل تکلیف کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھیں اور کچھ ہی عرصے میں اس دارِ فانی کو الوداع کہہ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت خدیجہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے پہلی زوجہ محترمہ تھیں۔ آپؓ سب سے پہلے ایمان لانے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے پہلے نماز ادا کرنے کا بھی اعزاز رکھتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری زندگی اپنی اس وفاشعار بیوی کو یاد کرتے رہے۔

آپ کی زندگی ہمیں سکھاتی ہے کہ خدا اور اس کے رسول پر کامل یقین قائم رکھتے ہوئے عورت دین و دنیا میں کیسے ترقی کر سکتی ہے۔ آپ ایک کامیاب تاجر تھیں جن میں بہت خود اعتمادی تھی اور جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں تو تمام عورتوں میں افضل ثابت ہوئیں۔ آپ کی زندگی یہ ثابت کرتی ہے کہ اسلام عورتوں کو گھروں تک محدود نہیں کرتا بلکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر ایسی کامل تعلیم فراہم کرتا ہے کہ گھروں میں اور پھر اس کے نتیجے میں معاشرے میں امن وسکون کی فضا قائم ہو سکے۔

پردے کے بارے میں بنیادی اسلامی تعلیم

ڈاکٹر امۃ الرحمٰن احمد

پردے کا حکم اللہ تعالیٰ نے سورہ نور اور سورہ احزاب میں دیا ہے۔ سورہ النور ہجرت کے پانچویں سال میں مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں سب سے پہلے پردے کا حکم سورہ النور کی آیت نمبر 28 میں یہ ہے کہ جب دوسروں کے گھروں میں داخل ہوا کرو تو ان سے اجازت لے لو اور سلام کر لیا کرو۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ گھر والے ایسی حالت میں ہوں کہ جس میں اجنبیوں اور نامحرموں کا انہیں دیکھنا نامناسب ہو۔ سورہ النور میں گھر کے اندر بھی حجاب رکھنے کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ پھر اسی سورۃ کی آیت نمبر 31 میں مومن مردوں کو حکم ہے کہ اپنی نظروں کو نیچے رکھا کریں اور بلا ضرورت عورتوں کی طرف نہ دیکھتے رہیں۔ اور سب سے بڑا پردہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت ہے اس لئے ایسا کام ہی شروع نہ کرو کہ نوبت وہاں تک پہنچے۔ آیت نمبر 32 میں عورتوں کو بھی یہی حکم ہے اور اس کے علاوہ اپنی زینت چھپانے کا حکم یعنی اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔

ترجمہ: اور مومن عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کیا کریں سوائے اس کے کہ جو اس میں سے ازخود ظاہر ہو۔ اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈال لیا کریں۔ اور اپنی زینتیں ظاہر نہ کیا کریں مگر اپنے خاوندوں کے لئے یا اپنے باپوں یا اپنے خاوندوں کے باپوں یا اپنے بیٹوں کے لئے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لئے یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں یا اپنی بہنوں کے بیٹوں یا اپنی عورتوں یا اپنے زیر نگیں مردوں کے لئے یا مردوں میں ایسے خادموں کے لئے جو کوئی (جنسی) حاجت نہیں رکھتے یا ایسے بچوں کے لئے جو عورتوں کی پردہ دار جگہوں سے بے خبر ہیں۔ اور وہ اپنے پاؤں اس طرح نہ ماریں کہ (لوگوں پر) وہ ظاہر کر دیا جائے جو (عورتیں عموماً) اپنی زینت میں سے چھپاتی ہیں۔ اور اے مومنو! تم سب کے سب اللہ کی طرف توبہ کرتے ہوئے جھکو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

سورہ الاحزاب جو مدینہ میں نازل ہوئی اس میں گھر سے باہر نکلتے ہوئے عورت کے لباس میں پردے کا حکم ہے۔ گھر سے باہر کا پردہ عورتوں کی حفاظت کی خاطر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَنۡ یُّعۡرَفۡنَ یعنی "تاکہ وہ پہچانی جائیں" اس کا صاف مطلب ہے کہ لوگ ایسی عورت کی عزّت کریں اور بلاوجہ ان کو ہراساں نہ کریں۔

اس سورت کی آیت 33:33 میں آواز کے پردے کا حکم ہے۔ اس کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یعنی عورت جب مرد سے بات کرے تو لجا لجا کر بات کرنے کی بجائے ٹھوس آواز میں اپنا مدعا سمجھائے۔ اس طرح مرد کے دل میں غلط خیالات پیدا نہیں ہونگے۔

آیت نمبر 33:34 میں گھر میں رہنے کا حکم ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ عورت گھر میں قید رہے اور ضرورت کے وقت بھی مجبور ہو کر بیٹھ رہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ عورت کی اصل ذمہ داری گھر کے اندر کے معاملات کو دیکھنا ہے۔ آجکل تو عورتیں مردوں کے شانہ بہ شانہ کام کرتی ہیں۔ جب کام سے فارغ ہو جائیں تو اور تقریبات میں جانے سے پرہیز کریں تاکہ بچوں کی طرف بھی توجہ دے سکیں اور اپنے خاوند کی ضروریات کا بھی خیال رکھے۔ لیکن ضرورت کے تحت باہر جانے کی بالکل اجازت ہے۔

آیت نمبر 33:54 میں مومنوں کو نصیحت ہے کہ نبی کے گھر ایسے بے دریغ داخل نہ ہو جاؤ اور اگر کھانے پر بلائے گئے ہو تو بیٹھے نہ رہو بلکہ جلد اُٹھ کر چلے جاؤ۔ اور تمہارا یہ پیارا رسول تو کہتے ہوئے شرماتا ہے لیکن اللہ نہیں شرماتا۔ اور جب امہات المؤمنین سے کچھ طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے کرو جو تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

آیت نمبر 33:56 میں عورت کے وہ رشتے بتائے ہیں جن سے پردہ کا حکم نہیں ہے۔ ان میں باپ، بیٹے، بھائی اور ان کے بیٹے، یا بہنوں کے بیٹے، گھر کی خواتین یا گھر کے ملازم جو گھر میں تمہارے تابع ہیں ان سے پردہ کا حکم نہیں ہے لیکن پھر بھی لباس ایسا ہو کہ وہ حیا کے تقاضے پورے کر سکے۔

آیت نمبر 33:60 میں خاص حکم جلباب کا ہے جو باہر پہننے والا کوٹ ہے جو ڈھیلا ڈھالا ہونا چاہئے ورنہ کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ مومن عورتیں پہچانی جاویں کہ یہ پاکباز ہیں اللہ والی ہیں اور لوگ ان کو تنگ نہ کریں۔ جلباب اور خُمُر دونوں مل کر ہمارا پردہ پورا کرتے ہیں۔

پردہ کیوں ضروری ہے؟ پردے کا حکم معاشرتی نظام کو مضبوط کرنے کے لیے ہے۔ بے حیائی کو روکنے کے لیے ہے تاکہ اس بیماری سے حفاظتی تدابیر اختیار کی جائیں اور اس بیماری کو جڑ سے ختم کیا جائے۔ جب مرد اور عورت کھلے طور پر ملتے ہیں تو معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ یہ آنکھوں کے ٹکراؤ سے شروع ہوتا ہے اس لیے پہلا حکم غضِ بصر کا ہے۔ جب مرد اور عورت اپنی نظر نیچی رکھیں گے تو شعلہ ہی نہیں بھڑکے گا۔ دوسروں کی بیویوں کو دیکھ کر ان سے آزاد کلامی کرنا سوسائٹی میں بداخلاقی پھیلاتا ہے۔ پھر گھر ٹوٹتے ہیں اور بچے کہیں کے نہیں رہتے۔ کبھی ماں کے پاس اور کبھی باپ کے پاس۔

پردہ کیسے کیا جائے؟ اوپر کی آیات سے یہ بات کُھل جاتی ہے کہ پردہ صرف عورتوں کے لیے نہیں ہے کیونکہ عورت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو غضّ بصر اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دے دیا۔ پھر اگلی آیت میں عورتوں کو دیا۔ پردہ صرف جسم اور چہرے کا نہیں بلکہ عورت کی آواز، اس کی چال ڈھال اور اس کا لب و لہجہ سب کا پردہ ہوتا ہے ورنہ پردہ کرکے بھی اگر عورت کی چال ایسی ہو کہ لوگوں کو متوجہ کرے تو وہ پردہ نہیں اور لجا لجا کر مرد سے بات کرے تو مرد غلط مطلب لے سکتا ہے۔ اسی لیے سورہ احزاب میں حکم ہے کہ ٹھوس آواز میں اور بالکل صاف بات کرنی چاہیے۔

نماز کے لیے خواتین کا لباس ایسا ہونا چاہئے کہ جس میں آسانی سے بالوں کو آگے پیچھے سے، کانوں، گردن اور سینے کو ڈھکا جاسکے۔ باہر جاتے ہوئے جو جلباب (ڈھیلا ڈھالا کوٹ) پہننا جس کی جمع قرآن مجید میں جَلَابِیۡبِهِنَّ آئی ہے۔ اور سر کی اوڑھنی خُمُر۔ گردن اور سینے کو عربی میں جُیوب کہتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ پردے کا مطلب یہ نہیں کہ عورت کو قید کر دیا جائے اور وہ سانس بھی نہ لے سکے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ خود کو بُری اور ناپاک نظروں سے بچائے۔

کب؟ اس میں دو باتیں آجاتی ہیں ایک یہ کہ کب حکم ہوا اور دوسرے کہ پردہ کب کرنا چاہیے۔ بلوغت کی عمر سے باقاعدہ پردہ شروع کر دینا چاہیے لیکن اگر بچیوں کو چھوٹی عمر سے ہی انہیں پوری آستین کی قمیص پوری لمبائی کا پاجاما یا شلوار وغیرہ پہننے کی عادت ڈالی جائے تو آگے جا کر آسانی ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ سمجھدار مائیں بیٹوں پر بھی وہی پابندی لگاتی ہیں جو بیٹیوں پر۔ اس سے بچوں میں برابری کا احساس رہتا ہے اور مزید بر آں ایسی مائیں بیٹوں کو بہنوں کی عزّت کرنا بھی سکھاتی ہیں جس سے پھر وہ دوسری عورتوں کو بھی عزت سے دیکھتے ہیں۔ عورت اور مرد دونوں کو گھر میں اور گھر سے باہر الگ الگ طریق سے پردہ کرنا چاہئے۔

گھر میں پردہ ایسے کہ بچوں کے سامنے پورے کپڑے پہنیں۔ بچوں کے سامنے کپڑے نہ بدلیں اور اپنے ازدواجی تعلق کو ان پر ظاہر نہ کریں۔ جن رشتوں سے اللہ نے پردہ نہ کرنے کی اجازت دی ہے ان کے سامنے بھی کلیۃً زینت کے اظہار سے پرہیز کریں اور نامناسب اور ادھورے کپڑے نہ ماں خود پہنے اور نہ ہی اپنی بچیوں کو پہنائیں۔ چھوٹی قمیص اور چُست پینٹس نہ پہنیں بلکہ گھٹنوں تک کی قمیص اور ڈھکے ہوئے کپڑے پہنائیں۔ پانچ سال سے اوپر بچیوں کی ٹانگیں ننگی نہ ہوں اور ان کو بیٹھنے اٹھنے کی تمیز سکھائی جائے۔ گھر سے باہر غضّ بصر کریں اور جو پردہ اللہ نے عورت کے لیے لکھا ہے کم از کم اتنا کریں۔

کہاں؟ گھر میں پردہ صرف اتنا ہے جیسا اوپر بیان ہوا ہے۔ لیکن اگر گھر میں مہمان آئیں تو مرد اور عورتیں علیحدہ بیٹھیں تاکہ عورتیں بھی آزادی سے بات چیت کریں اور بُرقع یا اوڑھنی کو اُتار سکیں۔ خاوند اگر اپنی بیویوں سے کچھ مانگیں تو پردے کے پیچھے سے تاکہ مہمان عورتوں کی بے پردگی نہ ہو۔

فوائد: میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ سر کو ڈھانکنے سے مجھ پر ذمّہ داری کا احساس زیادہ ہوتا ہے اور اس سے میری روحانیت بڑھتی ہے اور اللہ سے وابستگی کا شدّت سے احساس رہتا ہے۔ لوگ میری زیادہ عزّت کرتے ہیں کیونکہ وہ بھانپ لیتے ہیں کہ یہ عورت پاکیزگی کا پیغام دے رہی ہے اور اپنے مذہب پر عمل کرنے سے ڈرتی نہیں ہے

نہیں ہے اور لوگوں کی بجائے اپنے مالک اللہ سے ڈرتی ہے۔

علاوہ ازیں پردہ کرنے سے معاشرے میں گندگی اور بے حیائی کا محاسبہ ہوتا ہے۔ اپنے اور غیر' پردہ دار کی بات پر دھیان دیتے ہیں اور اس طرح وہ عورت اپنی سوسائٹی میں اپنے دین کی نمائندگی کر رہی ہوتی ہے۔ مغربی ممالک میں اس سے تبلیغ کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ہر حکم کی تعمیل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وراثت کے قوانین اور دوسرے مذاہب اور معاشروں کے ساتھ تقابلی جائزہ

عظمیٰ وقار، سیاٹل

اسلام نے دنیا کو ایک نظام وراثت دیا ہے۔ دوسرے مذاہب والے اس نظام کی حکمت کے بارہ میں خاموش ہیں۔ مرنے کے بعد انسان جو مال و جائیداد چھوڑ جاتا ہے اس کا کیا کیا جائے؟ اسلام نے اس سوال کا ایسا پُر معارف جواب دیا ہے جس کی نظیر باقی تمام مذاہب پیش نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے ایسے اصول مقرر فرمادئے جن سے ورثا کے درمیان ترکہ کی تقسیم نہایت منصفانہ طریق پر عمل میں آتی ہے۔

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (سورۃ النساء:12)

ترجمہ: تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ یا تمہارے بیٹوں میں سے کون تمہیں زیادہ نفع پہنچانے والے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے فرض مقرر کیا گیا ہے، بے شک اللہ بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

سورہ النساء میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ ترکہ کی تقسیم کے بارہ میں ہدایات فرمائی ہیں۔ اور تمام ورثاء کے حصے مقرر فرما دیئے۔ جن کی پوری پوری وضاحت رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمادی۔

" اللہ تمہاری اولاد کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے (کہ) (ایک) مرد کا (حصہ) دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے اور اگر (اولاد) عورتیں (ہی عورتیں) ہوں جو دو سے اوپر ہوں تو ان کے لئے (بھی) جو کچھ اس (مرنے والے) نے چھوڑا ہو (اس کا) دو تہائی مقرر ہے اور اگر ایک (ہی عورت) ہو تو اس کے لئے (ترکہ کا) آدھا ہے اور اگر اس (مرنے والے) کے اولاد ہو تو اس کے ماں باپ کے لئے (یعنی) ان میں سے ہر ایک کے لئے اس کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ (مقرر) ہے اور اگر اس کے اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ (ہی) اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا تیسرا حصہ (مقرر) ہے لیکن اگر اس کے بھائی (بہن موجود) ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ (مقرر) ہے (یہ سب حصے) اس کی وصیت اور (اس کے) قرض (کی ادائیگی) کے بعد (ادا ہوں گے) تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ (دادوں) اور تمہارے بیٹوں میں سے کون تمہارے لئے زیادہ نفع رساں ہے۔ (یہ) اللہ کی طرف سے فرض مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ یقیناً بہت جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔" (ترجمہ از تفسیر صغیر سورۃ النساء: آیت 12)

اب ذرا دیکھیں دوسرے مہذب معاشروں اور مذاہب میں وراثت کے کیا اصول ہیں:

یہودیوں میں وراثت کا حقدار صرف لڑکا ہوتا ہے۔ مرنے والے کے والدین، بیوہ اور بیٹیاں اولاد نرینہ کے رحم و کرم پر ہوتی ہیں۔ اگر لڑکی نابالغ ہو تو بارہ سال کی عمر تک وہ باپ کے ترکے میں سے اپنا خرچہ لے سکتی ہے۔ بیوہ میراث سے محروم ہوتی ہے اور ایک بوجھ سمجھی جاتی ہے۔ سب سے بڑا لڑکا دگنا حصہ پاتا ہے خواہ وہ نطفہ ناجائز ہو۔ اور اولاد نرینہ کی غیر موجودگی میں بیٹی وارث ہوتی ہے۔ اگر بیٹی نہ ہو تو باپ کا بھائی وارث ہوتا ہے اگر باپ کے بھائی نہ ہوں تو اس کے والد کے بھائی جائیداد کے وارث ہوتے ہیں۔ کسی بھی صورت میں بیوی یا بہن کو جائیداد کا وارث نہیں سمجھا جاتا۔ اگر اوپر بیان کردہ وارث نہ ہوں تو بیوی کو اس صورت میں وراثت کا حقدار سمجھا جائے گا اگر وہ قریبی خاندان کے کسی فرد سے شادی کرے تا کہ جائیداد گھر ہی میں رہے۔ (بحوالہ- Jewish Encyclopedia 1906, V:6, P, 583-585 Inheritance.)

نصرانیت میں رومی یا یونانی قانون کے تحت وراثت تقسیم ہوتی رہی۔ جس میں یہودی قوانین کی پاسداری کی جاتی تھی۔

307-305ء میں بادشاہ "گسٹنیانوس" نے وراثت کے قوانین کو یہودیت سے الگ کرنا شروع کیا اور اس نے وراثت کی بنیاد قرابت پر رکھی۔ اس کے مطابق پہلا حقدار بیٹا، پوتا، نواسہ، اور ان کی غیر موجودگی میں بیٹی، پوتی اور نواسی جائیداد کی وارث ہونگی۔ ان کی بھی غیر موجودگی میں باپ، دادا، بھائی وغیرہ میں ترکہ تقسیم ہوگا۔ حقیقی بھائی موجود نہ ہو تو یہ حق ماں شریک یا باپ شریک بھائی کو ملتا ہے۔ ان کی غیر موجودگی میں دیگر رشتے داروں میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔ اس طور پر کہ قریب ترین رشتہ دار کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار محروم ہوگا۔ میاں بیوی میں ہر ایک دوسرے کے ترکے سے محروم ہوگا کیونکہ ان کے ہاں وراثت کی بنیاد قرابت پر ہے۔ (Inheritance in the Bible (Numbers 27:8۔ اسی طرح (Numbers 27:1-11) کے مطابق بیوہ اور بہنیں جائیداد کی وارث نہیں بیٹے کے نہ ہونے پر بیٹی کو حصہ ملتا ہے۔

یونانی قانون میں اولاد نرینہ کی موجودگی میں کسی عورت کا وراثت میں کوئی حصہ نہ تھا۔ بیٹی وغیرہ صرف اس وقت وراثت کی حقدار ہوتی تھی جب کوئی مرد وارث موجود نہ ہوتا تھا۔ کئی صدیاں گزرنے کے بعد یونانیوں نے وراثت کے نظام اور قوانین میں تبدیلی کی اور یونانیوں کے سول کوڈ-2035-1710 کے مطابق میاں اور باپ کی جائیداد بیوی اور بچوں میں برابر تقسیم ہوگی اور بیوی اور ماں کے مرنے کے بعد جائیداد میاں اور بچوں میں برابر تقسیم کر دی جائے گی۔ ان کی غیر موجودگی میں والدین اور بہن بھائیوں کا حصہ ہوگا۔

ہندو قانون وراثت کے دو اصول ہیں کلاس اوّل اور کلاس دوم، کلاس اوّل میں بیٹے، بیٹیاں، ماں اور پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں جائیداد کے وارث ہیں لیکن اگر بیٹی بیوہ ہو، یا ایسی بہو جس کا شوہر (یعنی فوت ہونے والے کا بیٹا) فوت ہوگیا ہو اسکے بچوں اور بیوہ کا جائیداد میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ یعنی یتیم پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے لئے بھی جائیداد میں حصہ نہیں ہے۔ اسی شق کے مطابق ایسی عورتوں کے لئے ترکے میں کوئی حصہ نہیں ہے جو اولاد نرینہ نہ رکھتی ہوں یعنی باپ کے مرنے کے بعد غیر شادی شدہ بیٹیاں، بیوہ بیٹیاں یا وہ شادی شدہ بیٹیاں جن کی اولاد نرینہ نہ ہو ان کو وراثت کا حقدار نہیں سمجھا جاتا اور جن بیٹیوں کی اولاد نرینہ ہو ان کو جائیداد میں سے حصہ دیا جاتا ہے۔ نیز تمام دولت کا مالک صرف بڑا لڑکا ہوتا ہے اور دوسرے سب محروم ہوتے ہیں۔ دوسرے اصول کے مطابق پہلے باپ کو، پھر بیٹوں کو، پھر پوتے اور نواسوں کو پھر بھائیوں کو پھر پڑپوتوں اور پڑنواسوں کو اور پھر بیٹیوں کے پوتے بیٹیوں کے نواسے، بھائیوں کے بیٹے اور بہنوں کے بیٹے اور پھر نواسیاں اور پوتیاں۔۔(بحوالہ Hindu Succession Act 1956, Tribe clause 25, of
(Article 366 of the Constitution of India

لیکن 2005 میں دستور سازی کر کے بیٹیوں کو بیٹوں کے ساتھ جائیداد کا وارث قرار دیا گیا لیکن ابھی بھی بہت سے قبیلے یا خاندان اس قانون کو تسلیم نہیں کرتے۔

فرانسیسی قانون میں میت کی اولاد جائیداد کی وارث اور ان کی غیر موجودگی میں اس کے باپ، دادا اور پھر بھائی اور چچا کو وراثت کا حقدار قرار دیا گیا تھا۔ لیکن یہاں جائیداد کی تقسیم کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ ماں اور باپ میں آدھی آدھی جائیداد تقسیم ہوگی بہن بھائیوں کی موجودگی میں والدہ اور والد کو چوتھا حصہ اور بہن بھائیوں کو باقی آدھے میں سے ایک ایک حصہ ملتا ہے۔ ان سب کی غیر موجودگی میں غیر قانونی لڑکا حصہ دار ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی اولاد نہ ہو تو بیوہ کو کچھ حصہ دیا جاتا ہے (استفادہ از)https://www. Notaries.de.fr.

The official website of Notaries of France

جرمن قانون میں وارث کی موجودگی میں مرد اور عورت (بیٹا، بیٹی) (خاوند کے فوت ہونے پہ بیوی اور بیوی کا ترکہ میاں کو) میں سے ہر ایک کا حصہ چوتھائی ہے۔ اور وارث نہ ہو میاں یا بیوی کو ترکہ ملے گا۔

(Article by LAW-Legal Resources HG.org. (Interstate Succession in Germany, German Inheritance, and Probate Law)

https://www.german-probate lawyer.com/en/home.html

روس میں کیمونزم کی وجہ سے وراثت کا کوئی تصور ہی نہ تھا لیکن 1945ء میں تین طرح کے لوگوں کو وارث قرار دیا گیا۔ پہلے نمبر پر اولاد اور زوجین، دوسرے نمبر پر والدین اور منہ بولا بیٹا اور تیسرے نمبر پر بھائی بہن۔ ان میں سے قریب ترین کی موجودگی میں دور کے رشتے دار کو محروم کر دیا گیا۔ اگر کوئی بھی وارث نہ ہو تو حکومت کسی کو بھی وارث بنا سکتی ہے۔

(LawyersRussia.com,
Article Inheritance in Russia Monday April 2019)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے جو وراثت کا نظام پیش کیا ہے وہ مکمل طور پر ایسے عدل پر مبنی ہے جس سے تمام مذاہب محروم ہیں۔

~❁~❁~❁~

صبح کا ستارہ اور دادی اماں کی یاد

سید شمشاد احمد ناصر، مربی سلسلہ

آج صبح (یکم ستمبر 2021ء بروز بدھ) خاکسار جب مسجد محمود ڈیٹرائٹ سے نماز فجر پڑھنے کے بعد نکلا تو آسمان کی طرف آنکھیں لگائے دیکھ رہا تھا کہ آسمان پر بادل ہیں یا ستارے نکلے ہوئے ہیں۔ ستارے تو نظر نہ آئے لیکن ایک طرف ہٹ کر چاند موجود تھا۔ یہ غالباً محرم الحرام کی 22-23 تاریخ تھی۔

اس وقت مجھے اپنی دادی جان سیدہ دولت بی بی مرحومہ بہت یاد آئیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم اپنے گاؤں میں رہتے تھے تو آپ علی الصبح جلدی اٹھتی تھیں نماز تہجد پڑھتیں پھر دودھ دوہتیں اور پھر سب کے لئے ناشتہ تیار کرتیں اور پھر اس کے بعد دیگر گھریلو کاموں میں مصروف ہو جاتیں۔ اس وقت گھڑیاں ایجاد تو ہو چکی تھیں مگر ہمارے گھر میں کسی کے پاس نہ تھی۔ نہ ہی الارم وغیرہ یا ٹائم پیس تھا۔ دادی مرحومہ کو ستاروں کے ساتھ وقت شناخت کرنے کا ملکہ تھا۔ وہ بتایا کرتی تھیں کہ جب یہ ستارہ یہاں ہو تو میں اٹھتی ہوں۔ اور جب فلاں ستارہ وہاں پر ہو تو نماز فجر پڑھ لیتی ہوں۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ رمضان میں بھی وہ ستاروں کی مدد سے ہی وقت کا اندازہ لگاتیں، سحری پکاتیں اور سب کو روزے رکھواتی تھیں۔ یہ میرے بچپن کی یاد ہے اپنی دادی جان مرحومہ کے بارے میں اور آج ستاروں کو دیکھتے ہی ان کی یاد آئی۔ تو سوچا کہ کچھ مزید اپنی دادی جان کے بارے میں بھی لکھوں اور ان کی چند نیکیوں کا تذکرہ کروں۔ اور حدیث نبوی ﷺ پر عمل ہو کہ اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ

جب میرے دادا جان اور دادی جان، ابا جان اور میری والدہ اور ہم تین بہن بھائی ہجرت کر کے گولیکی ضلع گجرات سے یہاں چنی گوٹھ میں عاشق آباد جو کہ ایک موضع ہے، جہاں میرے دادا جان سید امیر احمد شاہ صاحب مرحوم نے کچھ زمین خریدی تھی، وہ وہاں آکر آباد ہوئے۔ تو دادا جان نے سب سے پہلے گھر کے بالکل دروازے کے ساتھ گارے کی اینٹوں کے ساتھ ایک کچی مسجد بنائی جس میں بمشکل 8،10 نمازی نماز پڑھ سکتے ہوں گے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارا خاندان ہی چھوٹا سا تھا اور پھر صرف ہم نے ہی اس میں نماز پڑھنی تھی۔ میری دادی جان بھی سوائے نماز تہجد کے باقی نمازیں اسی مسجد میں پڑھتی تھیں۔

قرآن شریف کی اس طرح باقاعدہ تلاوت تو کرتے نہیں دیکھا لیکن ایک پنج سورہ گھر میں انہوں نے اپنے لئے رکھا ہوا تھا وہ ضرور پڑھتیں اور تلاوت کرتی تھیں۔ میری دادی جان ایک غیر احمدی سید فیملی سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور میرے دادا جان نے حضرت مصلح موعودؓ کے زمانے میں 1932ء میں بیعت کی تھی۔ اور دادی جان نے ابھی بیعت نہیں کی تھی انہوں نے 1953ء میں جا کر بیعت کی۔ اور پھر انہیں احمدیت سے یا احمدیت کے عقائد کے بارہ میں زیادہ علم بھی نہ تھا۔ ہندوستان میں ہمارے ابا جان کے پڑدادا سید محمد پناہ صاحب کی گدی تھی۔ جیسا کہ آج کل پاکستان یا ہندوستان میں مزارات ہیں۔ وہاں عرس بھی ہوتا، نذریں، نیازیں بھی آتیں اور چڑھاوے بھی چڑھتے تھے۔ یہ باتیں میری دادی جان کی زندگی پر اثر انداز رہیں۔

میری دادی جان کوئی پڑھی لکھی نہ تھیں بس ان کو یہ پتہ تھا کہ ہم احمدی ہیں اور احمدیت سچی ہے۔ عقائد کیا ہیں اس کا کچھ پتہ نہ تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ کی اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی بیعت کی تھی۔ جب یہ جانا کہ ہم احمدی ہیں اور احمدیت سچی ہے بس پھر دل و جان سے احمدیت کی ہی ہو رہیں۔

ان کے نماز سے شغف کے بارے میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ وہ مسجد ہی میں نماز پڑھتی تھیں اور وہ صرف خود ہی نماز کی پابند نہ تھیں بلکہ گھر میں بھی ہم سب کی نمازوں کا بہت خیال رکھتیں۔ مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے جب میں مبلغ بن گیا۔ پاکستان میں خدمت کی توفیق ملی۔ پھر افریقہ میں 8 سال خدمت کی توفیق ملی پھر امریکہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے توفیق کی سعادت پا رہا ہوں۔ میں جب بھی امریکہ اور افریقہ سے چھٹی پر ربوہ جاتا تو دادی جان کو گاؤں سے ربوہ ہی بلا لیتا تھا کہ جو چھٹی ہے ان کے ساتھ ہی ربوہ میں گزاروں۔ تو میں جب بھی باہر سے گھر میں داخل ہوتا تو دادی جان کا سب سے پہلا سوال مجھ سے یہ ہوتا کہ شمشاد نماز پڑھ لی ہے؟ شمشاد نماز پڑھ لی ہے؟ مجھے یاد ہے کہ انہوں نے یہ بات سینکڑوں مرتبہ مجھے پوچھی ہو گی۔ باوجود اس کے کہ وہ جانتی تھیں میں مربی بن گیا ہوں۔ دوسروں کو بھی سکھاتا ہوں مگر وہ مجھ سے جب بھی میں باہر سے گھر میں داخل ہوتا تھا یہی ایک بات پوچھتی

تھیں۔ کیوں کہ نہ تو ان کے پاس گھڑی تھی۔ اور نہ وقت کا زیادہ حساب رکھتی تھیں لیکن سوال یہی ہوتا اور اگر میں کہتا کہ میں تو بازار گیا تھا یا ابھی نماز کا وقت نہیں ہے۔ تو انہیں تسلی ہو جاتی تھی۔ اور میں انہیں بتا کر جاتا کہ اب نماز کا وقت ہے مسجد جارہا ہوں اس سے بھی بہت خوش ہوتی تھیں۔

نڈر اور بہادر خاتون

1974ء کے زمانہ میں جبکہ حالات بہت مشکل تھے۔ میرے ابا جان ربوہ میں آئے ہوئے تھے کہ اچانک حالات زیادہ بگڑ گئے اور دادی جان اکیلی گاؤں میں تھیں۔ ہمارے موضع کے اور شہر کے لوگوں کو پتہ تھا کہ یہ احمدی گھرانہ ہے تو انہوں نے حملہ کے لئے شہر سے بلوائی اکٹھے کئے اور ان کا خیال تھا کہ ہمارے گھر اور جائیداد کو لوٹ لیں اور آگ لگائیں اور ابا جان کو قتل کر دیں وغیرہ۔ اس وقت وہ لوگ احمدیت کی دشمنی میں کچھ بھی کرسکتے تھے۔ اس صورت میں سب نے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ کس طرح دادی جان کو وہاں سے ربوہ لایا جائے۔ جب اس کا پروگرام بنالیا تو دادی جان نے کہا کہ آپ ربوہ آرام سے رہیں۔ میں یہاں اکیلی رہتی ہوں دیکھ لوں گی کہ کون حملہ آور ہوتا ہے میں خود سنبھال لوں گی۔ چنانچہ دادی جان 3 ماہ تک اکیلی وہاں گھر پر رہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے کسی کو حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ 3 ماہ بعد جب خدا تعالیٰ کے فضل سے حالات بہتر ہوگئے تو ابا جان واپس چنی گوٹھ آگئے۔ لیکن دادی جان نے یہ 3 ماہ کا عرصہ بلا خوف و خطر گزارا۔ الحمدللہ

ہمسایوں کے ساتھ نیک سلوک

جیسا کہ میں نے بتایا کہ ہمارا تو اکیلا گھر تھا احمدیوں کا لیکن دو تین گھر ہمارے گھر کے بالکل ساتھ تھے۔ درمیان میں صرف ہمسایوں کی دیوار تھی۔ جو کہ ہماری ہی زمین پر ان کے مکانات تھے ہمیشہ دادی مرحومہ نے ان کے ساتھ نیکی اور احسان کا سلوک کیا۔ ہمسایوں کے بچوں کے لئے اور ان کے صبح کے ناشتہ کے لئے گھر سے روزانہ دودھ بھیجتی تھیں۔ اور پھر دوپہر کو لسّی بھجواتی تھیں۔ گھر میں جب گوشت یا کوئی اور اچھا سالن پکتا چاول وغیرہ پکتے تو بھی ہمسایوں کا حق بھجواتیں۔ جب پتہ چلتا کہ کسی کو دودھ کی ضرورت ہے تو اس کی ضرورت بھی پوری کرتیں۔ اس زمانے میں دودھ بیچنا شاید گناہ سمجھا جاتا تھا۔ یعنی اس حد تک وہ خیال کرتیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نعمت دی ہے اور اس کا ایک قسم کا شکرانہ یہ ہوگا کہ ہم دوسروں کو بھی اس نعمت سے فیض پہنچائیں۔

نوکروں کے ساتھ حسن سلوک

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا گھرانہ زمیندارہ گھرانہ ہے۔ اور دادی جان مرحومہ کے پاس گھر میں ایک یا دو نوکر ہوتے تھے جو باہر کے کام کاج میں مدد کرتے تھے۔ ان کو تین وقت اپنے باورچی خانے میں بٹھا کر پکا کر تازہ کھانا کھلاتی تھیں۔ مجھے ایک واقعہ کبھی نہیں بھولتا۔ ایک دفعہ میں بھی دادی جان اور دادا جان کو ملنے گاؤں گیا ہوا تھا (یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم تعلیم کی خاطر چنی گوٹھ سے احمد پور شرقیہ آکر آباد ہوگئے تھے) سردیوں کے دن تھے۔ دوپہر کا کھانا تھا۔ میں نے دادی جان سے کہا کہ مجھے بھوک لگی ہے روٹی دیں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ چولہے پر لکڑیاں جلائیں اور آٹا لے کر بیٹھ گئیں۔ دال یا سالن جو بھی تھا وہ پہلے سے پکا ہوا تھا۔ جب پہلی روٹی پکائی تو میں نے سمجھا مجھے ملے گی۔ انہوں نے مجھے کہا جاؤ مجید کو بلا کر لاؤ۔ مجید ہمارا نوکر تھا جو باہر گھاس کاٹ رہا تھا۔ میں اسے بلا کر لایا۔ اتنے میں دوسری روٹی بھی پک چکی تھی۔ دادی جان نے وہ روٹیاں اور سالن پہلے اسے دیا اور پھر بہت سارا مکھن روٹی پر لگا کر دیا۔ میں اس بات پر حیران ہوا۔ اتنے میں ابا جان بھی آگئے۔ میں نے سوچا شاید اب ابا جان کو کھانا ملے گا لیکن نہیں دادی جان نے پھر مجھے دیا اور جتنا مکھن مجید کو دیا تھا روٹی پر اس سے کم مجھے دیا۔ پھر تیسرے نمبر پر ابا جان کی باری آئی۔ اور انہیں مجھ سے بھی کم مکھن روٹی پر دیا۔ میں نے بعد میں وجہ پوچھی کہ ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگیں کہ وہ نوکر ہے اس کا حق پہلے ہے۔ پھر وہ تو کام کر رہا تھا اس کو زیادہ ضرورت تھی۔ آپ تو گھر میں تھے۔ اور کام بھی کچھ نہیں تھا۔

واقف زندگی کا احترام

میں نے پہلے بتایا ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد گدی نشین اور پیر تھے۔ ہندوستان میں رجولی کے مقام ضلع انبالہ میں ہماری گدی تھی۔ اور اس کی 500 ایکٹر زمین بھی ہمارے استعمال میں تھی۔ بے شمار نذر نیاز، مال و دولت، اجناس اور چڑھاوے کی چیزیں آتی تھیں۔ گھر بھرا رہتا تھا۔ اس کے باوجود اپنی دادی جان سے ہمیشہ میں نے یہی سنا وہ کہتی تھیں کہ شمشاد اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی ہمارے گھر میں برکت بالکل نہ تھی۔ اور اب خدا کے فضل سے جب سے احمدیت ہے برکت ہی برکت ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے ہمارے تھوڑے میں بہت برکت ڈالی ہوئی ہے۔

میری تو دادی جان کے مقابلہ میں کچھ حیثیت اور مقام نہیں ہے۔ وہ میری بزرگ تھیں لیکن جب میں نے وقف کیا اور جامعہ میں داخل ہوا تو میرا بے حد احترام کرتی تھیں میں نے جو کہہ دیا وہ انہوں نے پورا کرنا ہوتا تھا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے میں جامعہ کی پہلی کلاس ممہدہ کا امتحان دے کر چھٹیوں

میں گاؤں میں دادی جان کے پاس گیا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ ہمسایوں کے بچے اور میں شیشم (ٹاہلی) کے درخت کے نیچے دوپہر کو آرام کر رہے تھے کہ اتنے میں دو سپیرے آئے انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو سانپوں کا تماشا دکھاتے ہیں۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے۔ انہوں نے اپنی پٹاری کھولی بین بجانا شروع کی اور ایک سانپ باہر نکلا جو جھومنے لگ گیا۔ اس نے اچانک بین بجانی بند کی اور مجھے کہنے لگا کہ جب میں بین بجا رہا تھا تو مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے گھر کی چھت میں سانپ ہے۔ میں تو سن کر گھبرا گیا۔ میں نے اسے کہا کہ بھئی سانپ فوراً نکالو۔ وہ کہنے لگا کہ ہم سانپ اس طرح نہیں نکالا کرتے۔ گگو پیر کی منت ہے۔ ایک من دانے لے کر نکالتے ہیں۔ میں نے کہا یہ تو بہت زیادہ ہے۔ کم کرو کہنے لگا چلو تیس سیر دے دو۔ میں نے کہا یہ بھی زیادہ ہے کہنے لگا کہ دیکھو 20 سیر لوں گا اور وہ بھی آپ یہاں میدان میں رکھ دو۔ میں اس پر بھی بین بجاؤں گا جب سانپ آپ کے گھر کی چھت سے نکال کر آپ کو دکھا دوں گا تب یہ دانے اٹھاؤں گا۔ میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے ایک بچے سے کہا جاؤ ہمارے گھر میری دادی جان سے کہو کہ گھر کی چھت میں سانپ ہے اور 20 سیر دانے تول کر باہر بھجوا دیں۔ دادی جان نے 20 سیر گندم میرے پیغام پر ہی تول کر دو بچوں کے ہاتھ باہر بھجوا دی۔ سپیرے نے گھر کی چھت کے گرد بین بجائی اور ایک جھٹکے سے سانپ باہر نکال لیا اور یہ بھی ظاہر کیا کہ سانپ نے اس کی انگلی پر کاٹ لیا ہے۔ اور خون بھی نکل آیا ہے۔ جو ہم نے دیکھا۔ اور اسے درد بھی ہو رہا ہے وغیرہ۔ میں تو اب بالکل مطمئن اور قائل ہو گیا تھا کہ سانپ واقعی نکل گیا ہے۔ دوسرے سپیرے ساتھی نے گندم فوری اٹھائی اور اپنے قبضہ میں کر لی۔ اس پر چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ سپیرے نے کہا یہ تو مادہ تھی۔ نر سانپ دوسری چھت میں ہے۔ ہمیں تو یقین ہو گیا تھا کہ سانپ چھت سے نکلا ہے۔ بھلا گھر میں سانپ ہو تو پھر خوف تو ہو گا ہی۔ میں نے کہا اسے بھی نکال لو کہنے لگا کہ 20 سیر دانے اور لاؤ۔ میں نے کہا اب دس سیر دوں گا۔ وہ کہنے لگا کہ ٹھیک ہے میں نے پھر دادی جان کو پیغام بھیجا کہ مزید دس سیر دانے بھجوا دو۔ چنانچہ سپیرے نے پھر بین بجائی اور دوسرا سانپ بھی نکال لیا۔ وہ دانے سمیٹ ہی رہا تھا کہ اتنے میں میرے ابا جان جو شہر گئے ہوئے تھے واپس آ گئے۔ میں نے بھی اور سب بچے اور لوگ جو وہاں موجود تھے سب نے یک زبان ہو کر ابا جان کو بتایا کہ اس طرح دو سانپ نکالے ہیں۔ ابا جان یہ بات ماننے کو تیار نہ تھے۔ وہ کہنے لگے کہ گھر کی چھت سرکنڈوں کی بنی ہوئی ہے۔ اور سرکنڈے کی چھت میں سانپ نہیں آ سکتے۔ لیکن ہم سب سانپوں کے عینی شاہد تھے۔ اس لئے ابا جان کی ایک نہ سنی گئی۔ اور سپیروں نے بھی اسی میں عافیت سمجھی فوراً اپنا سامان سمیٹ کر دو تین منٹوں ہی میں رفو چکر ہو گئے۔ رات کو پھر ابا جان نے ہم سب کو اور واقعات سنائے اور کہنے لگے کہ چلو اچھا ہے کچھ دے کر ہی یا کھو کر ہی انسان کو تجربہ ہوتا ہے۔ اگلے دن پتہ چلا کہ وہ سپیرے ہمارے گاؤں کے متصل دو تین اور گاؤں میں یہ شغل کر کے دانے بٹور کر لے گئے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔

میری دادی جان نے اپنی زندگی میں بہت کم سفر کئے تھے اور جب بھی کوئی انہیں کہتا کہ کچھ عرصہ کے لئے ہمارے پاس آ کر رہ جائیں تو فوراً انکار کر دیتی تھیں کہ میں گھر بار چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ لیکن میں نے جب بھی کہا کہ میں چھٹی پر آیا ہوں آپ یہاں ربوہ ہی آ جائیں تو فوراً چلی آتیں اور دو دو ماہ جب تک میری چھٹی ہوتی میرے ساتھ ہی گزارتی تھیں۔

بیعت اور ایمان میں پختگی کا اظہار

میں نے اپنے ابا جان سے محترمہ دادی جان کی بیعت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا میرے دادا جان مرحوم نے 1932ء میں بیعت کی تھی۔ دادی جان نے اس وقت بیعت نہیں کی بلکہ 1953ء میں بیعت کی۔

دادی جان مرحومہ کے اپنے کوئی رشتہ دار نہ تھے بلکہ جس گھرانے میں ان کی پرورش اور تربیت ہوئی تھی وہی ان کے رشتہ دار تھے۔ والدین بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ جب دادی جان مرحومہ نے بیعت کی تو گاؤں کے لوگ اور وہ رشتہ دار جن کے ساتھ ان کے روابط تھے وہ وفد کی صورت میں دادی جان کے پاس گولیکی ضلع گجرات آئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے تم لوگ کافر ہو گئے ہو۔ پہلے تمہارا خاوند (میرے دادا جان سید امیر احمد شاہ صاحب مرحوم) کافر ہوا اور اب تم نے بھی وہی مذہب اختیار کر لیا ہے۔ بہتر ہو گا کہ آپ اپنے خاوند اور اس نئے مذہب کو چھوڑ دو ہم آپ کو اپنے ساتھ اپنے گاؤں لئے چلتے ہیں۔ تو میری دادی جان نے یہ جواب دیا کہ ہاں میرے میاں نے بقول تمہارے نیا مذہب اختیار کر لیا ہے لیکن ایک بات ہے کہ جب وہ مسلمان تھے تو نہ نمازیں پڑھتے تھے اور نہ ہی کوئی اور نیکی کا کام میں نے انہیں کرتے دیکھا۔ تعویذ دیتے اور لکھتے تھے نیز مزار پر دھمال وغیرہ ڈلواتے تھے اور مشرکانہ رسوم کرتے رہتے تھے۔ لیکن جب سے انہوں نے وہ اسلام چھوڑا ہے اب خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ پانچوں نمازیں پڑھ رہے ہیں اور جن فضولیات میں وہ تھے وہ بھی ختم کر دی ہیں۔ آپ لوگ واپس چلے جائیں۔ مجھے یہ منظور ہے جو انہوں نے کام کیا ہے۔ پہلے والا اسلام ان کا ٹھیک نہیں تھا بلکہ جب سے وہ مسلمان نہیں رہے تمہارے کہنے کے مطابق، وہ نیکی پر قائم ہو گئے ہیں۔ الحمدللہ۔ چنانچہ سب لوگ واپس چلے گئے۔

پوتی اور پوتوں کے ساتھ محبت کا اظہار

میرے ابا جان سید شوکت علی صاحب ان کی بڑی اولاد تھیں۔ قدرتاً ابا جان کی اولاد کے ساتھ دادا اور دادی کے طور پر انہیں ہم سے بھی محبت تھی۔ میری بڑی بہن محترمہ سیدہ تنظیم النساء عمر میں مجھ سے ایک سال بڑی ہیں۔ اس وقت جرمنی میں اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ ان کے ساتھ دادا جان اور دادی جان کو بہت پیار تھا۔ جب ہماری عمر سکول جانے کی ہوئی تو مجھے تو دادا جان نے خود سکول جا کر داخل کرا یا۔ لیکن جب میری بہن کو انہوں نے کہا تو وہ رونے لگ گئیں کہ میں نے سکول نہیں جانا۔ وہاں پر سکول میں استاد مارتے ہیں۔ بس اس نے رونا شروع کر دیا۔ دادا جان کو رحم آ گیا کہنے لگے کہ ٹھیک تم میرے ساتھ گاؤں چلو اور وہیں رہنا کیوں کہ ہماری والدہ مرحومہ کہتی تھیں کہ میں نے اس کو سکول میں ضرور داخل کرانا ہے۔ پس دادا جان آڑے آ گئے اور کہنے لگے کہ نہیں جو بچی کہتی ہے میں نے وہی کرنا ہے۔ بس پھر کیا تھا ہماری بہن دادا جان کے ساتھ گاؤں چلی گئیں وہیں دادی کے پاس ان کی پرورش ہوئی اور پھر سکول نہیں گئیں ان کی جب شادی ہونے والی تھی میں جامعہ میں پڑھتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اسے کچھ تھوڑا بہت تو پڑھنا آنا چاہیئے چنانچہ میں نے اپنی بڑی بہن کو ا، ب، پ والا قاعدہ سکھایا اور تھوڑا بہت لکھنا سکھایا۔ ان سے میں نے فون پر پوچھا کہ دادی جان کی کوئی بات سناؤ تو آواز بھرّا گئی محبت سے جذبات غالب آ گئے کہنے لگیں کہ کیا بتاؤں انہوں نے مجھ سے کس قدر پیار کیا ہے میں نے کہا کچھ ان کی کوئی نیکی کی بات یا خصوصیت بتائیں۔ تو کہنے لگیں کہ گھر میں ہمارے ایک نوکر ہوتا تھا جن کا نام مقبول تھا انہیں میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے کھانا ان کو ملتا تھا۔ اور روٹی پر گھی لگا کر دیتی تھیں۔ ہمسایوں کے ساتھ بھی بہت نیک سلوک کرتی تھیں۔ ہمسایوں کے گھر دودھ بھی بھجواتی تھیں اور عید پر بھی ان کے بچوں کو عیدی وغیرہ دیتی تھیں۔

انہوں نے بتایا کہ جب ہمارے دونوں چچاؤں کی شادی ہوئی۔ چچا سید شبیر احمد صاحب آسٹریلیا اور چچا سید عاشق علی صاحب ربوہ، ہر دو کی بیویوں کو بیٹیوں کی طرح گھر میں رکھا۔ ان کے آرام کا خیال رکھا۔ اور بہت عزت و احترام سے ان کے ساتھ پیش آتی تھیں۔

ایک محنتی خاتون

میں نے اپنے شعور میں اپنی دادی جان کو بیمار نہیں دیکھا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی باہمت خاتون تھیں۔ گاؤں میں ہمارا گھر خدا کے فضل سے بہت بڑا تھا۔ سارے گھر کی روزانہ دو دفعہ صفائی کرتیں۔

پھر ہمارے گھر ہر قسم کے جانور تھے۔ 4,3 گائیں، بیل بکریاں، بھینس، گھوڑا، گدھا، ہرن، بھیڑیں، دنبے، اونٹ، کتے، بلی سب رکھے ہوئے تھے۔ پرندوں میں طوطے، کبوتر اور مرغیاں پالی ہوئی تھیں۔ کچھ تو ضرورت کے تحت اور کچھ شوقیہ رکھے ہوئے تھے۔

ان سب جانوروں کا خیال رکھنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ اور ہماری دادی جان ان سب چیزوں کا خیال رکھتی تھیں۔ بعض اوقات نوکر چھٹی پر چلا جاتا یا کچھ عرصہ کے لئے غائب ہو جاتا تو پھر دادی جان اکیلی ہی گھر میں، اتنے جانوروں کے لئے گھاس کا، پانی پلانے کا اور پھر گوبر وغیرہ کی صفائی کا روزانہ کی بنیاد پر انتظام کرتی تھیں۔ پھر رات کے وقت سارے جانور گھر کی چار دیواری میں باندھے جاتے تھے۔ جب کہ صبح سویرے باہر درختوں کے نیچے، ہر دو جگہ ان کے لئے کھیتوں میں سے گھاس خود کاٹ کر لاتیں۔ اور خود مشین میں اکیلی ہی ان کا چورا کرتیں۔ پھر خود ہی سب جانوروں کو گھاس ڈالتیں۔ اور سب کو پانی پلاتی تھیں۔ لکھنے میں یہ شاید سادہ لگ رہا ہے لیکن بہت ہی مشکل کام ہے اور تھا۔ مگر انہوں نے کبھی اس میں ناغہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی کسی تکلیف اور تھکن کا کبھی کسی سے اظہار کیا۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ گھر کے اندر پانی کا نلکا نہ تھا۔ باہر کنوئیں سے ہی صبح و شام پانی گھر کے سارے استعمال کے لئے خود لے کر آتی تھیں۔ اس وجہ سے میں یہ بات بڑے وثوق سے کہتا ہوں کہ میں نے ان جیسی بہادر اور باہمت خاتون نہیں دیکھی۔ مردوں سے بھی زیادہ وہ کام کر لیتی تھیں۔ کھانا پکانا اس کے علاوہ تھا۔ رات کو بہت کم آرام کرتی تھیں۔ اور پھر سارا دن اوپر والے درج شدہ کاموں میں وقت گزارتی تھیں۔

انتہائی سادہ خاتون تھیں۔ مجھے نہیں یاد کہ انہوں نے کبھی نیا کپڑا پہنا ہو۔ ہاں صاف، دھلے ہوئے کپڑے پہنتی تھیں اور نئے کپڑوں کی بجائے اپنی بہوؤں کے کپڑے پہن کر گزارا کرتی تھیں۔ کبھی کسی قسم کی کوئی فرمائش نہیں کی۔ آخری عمر میں صرف مجھے یہ کہا تھا کہ مجھے عینک لگوا دیں۔ اور مجھے موٹے حروف والا قرآن شریف لے دیں۔ جب میں نے ان کی آنکھوں کا معائنہ کرایا تو پتہ چلا کہ موتیا ہے۔ پھر اس کا آپریشن ربوہ ہی میں کرایا۔ بس مجھے ان کی ساری عمر میں یہی فرمائش یاد ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے پورا کرنے کی توفیق بھی ملی۔ الحمدللہ

سخت پردہ کی وجہ سے پہچانی نہ گئیں

اتنے سارے گھریلو اور باہر کے کاموں کی وجہ سے بھی پردہ سے کبھی غافل نہ ہوئیں۔ اول تو ہمارے ڈیرے پر باہر کا کوئی آدمی آتا ہی نہ تھا۔ لیکن اگر کوئی آ جاتا تو بھرپور پردہ کرتی تھیں۔ برقع وغیرہ تو میں نے انہیں کبھی پہنے نہیں دیکھا لیکن قرآنی

حکم کے ماتحت اپنی اوڑھنی اور چادر اس طرح لیتی تھیں کہ پہچانی بھی نہ جاتی تھیں۔

ایک دفعہ تو لطیفہ ہی ہو گیا۔ اور وہ یہ کہ میں جب پہلی یا دوسری مرتبہ امریکہ سے چھٹی پر گیا تو دادی جان وہاں چنی گوٹھ ہی تھیں۔ ابا جان تو مجھے کراچی ائیر پورٹ لینے آتے تھے اور پھر ربوہ تک آتے۔ پھر واپس چنی گوٹھ دادی جان کے پاس چلے جاتے۔ میں نے ابا جان سے کہا کہ بجائے اس کے کہ میں چنی گوٹھ دادی جان کو ملنے جاؤں۔ تو وہ دو چار دن کے لئے ہی ہو گا۔ اور میں چاہتا ہوں کہ جتنا عرصہ میں ربوہ رہوں وہ میرے پاس یہاں ہی رہیں۔ ابا جان کہنے لگے کہ ٹھیک ہے۔ ان دنوں چناب ایکسپریس چنی گوٹھ سٹیشن پر ٹھہرتی تھی اور ادھر سے سیدھی ربوہ تک آتی تھی۔ ابا جان نے دادی جان کو مقررہ تاریخ پر چنی گوٹھ سے چناب ایکسپریس پر بٹھا دیا۔ اب فون نمبر وغیرہ تو تھے نہیں بس خط کے ذریعہ پہلے ہی اطلاع دے دی تھی کہ فلاں تاریخ کو چناب پر سوار کرادوں گا آپ ربوہ اتار لیں۔

میں نے سوچا کہ ربوہ تو ایک دو منٹ کا سٹاپ ہے۔ پتہ نہیں کس ڈبے میں ہوں گی۔ تلاش کرتے کرتے کہیں گاڑی ہی نہ روانہ ہو جائے۔ میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لیا اور ہم دونوں فیصل آباد چلے گئے کہ وہاں گاڑی 15 منٹ ٹھہرتی ہے۔ تلاش کرنے میں آسانی رہے گی۔ ہم نے ساری گاڑی دیکھ لی۔ خواتین کے ڈبے بھی اور مردوں کے ڈبے بھی مگر ہمیں کچھ پتہ نہ چلا۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ دعا بھی بہت کی۔ اچانک ایک ڈبے میں دیکھا ایک خاتون ایک سیٹ پر سکڑ کر اور کپڑے میں لپٹ کر بیٹھی ہوئی ہیں۔ اور ان کے پاؤں کی انگلیاں باہر نظر آرہی تھیں۔ میں ان کی پاؤں کی انگلیوں کو پہچانتا تھا۔ چونکہ سارے جسم پر چادر اس طرح لپٹی ہوئی تھی کہ نظر ہی نہ آتی تھیں۔ میں نے ان کے پاؤں کی انگلیوں سے پہچانا اور پوچھا آپ دولت بی بی ہو؟ کہنے لگیں ہاں۔ پھر پہچانا اور ہم ان کو اس طرح ربوہ لے کر آئے۔ اندازہ کریں کہ چناب ایکسپریس پر وہ دس سے گیارہ گھنٹے کا سفر تھا انہوں نے سارا سفر اسی طرح چادر میں لپٹے، بغیر کچھ کھائے پیئے گزارا۔

میں نے جب اپنی سب سے چھوٹی بہن، سیدہ ناصرہ شفقت صاحبہ (حیدر آباد) سے رابطہ کیا اور پوچھا کہ دادی جان کی کوئی بات بتاؤ جو تمہیں یاد ہے تو اس نے بھی یہی لکھ کر بھیجا کہ "مجھے دادی جان کا گھریلو ملازم کے ساتھ اچھا سلوک یاد ہے کہ ان کو کھانا ہمیشہ پہلے دینا اور وہی دینا جو سب کے لئے ہوتا تھا۔ اور رات کو جس طرح سب کو دودھ کا گلاس دینا ویسے ان کو بھی دینا۔ اس کے علاوہ ایسے ہمسایے جس گھر میں دودھ نہیں ہوتا تھا صبح و شام ان کے گھر دودھ بھیجنا اور یہ کوئی ایک دو دن تک نہیں بلکہ جب تک ان کے گھر کے لئے دودھ کا انتظام نہ ہو جاتا۔ یعنی ان کے گھر جو گائے یا بکری وہ دودھ دینے کے قابل نہیں ہو جاتی۔ اس پر بعض اوقات 5، 6 ماہ کا عرصہ اور کبھی زائد بھی گزر جاتا تھا۔ لیکن دادی جان بغیر کسی تکلیف اور دقت کے خوشی خوشی یہ خدمت انجام دیتی تھیں"

میری ایک چچی نے بتایا جو ربوہ میں ہیں "بڑی پیار کرنے والی، اور خیال کرنے والی تھیں۔ ہمارے ساتھ بیٹیوں کا سا سلوک کرتی تھیں۔"

میرے چچا سید عاشق احمد طاہر صاحب، ربوہ نے بتایا کہ ہماری والدہ نے ہمارے والد کی آخری بیماری میں جو کہ قریباً 6-7 ماہ کا عرصہ ہے، اتنی خدمت کی کہ انہیں ہاتھوں میں اٹھا کر رفع حاجت کے لئے لے جایا کرتی تھیں اور پھر خود ہی انہیں نہلاتی بھی تھیں۔ حد درجہ خدمت کی ہے اور احسن طریق سے کی ہے۔ اس میں اخلاص اور محبت تھی۔ اور وفاداری سے بیماری میں خدمت انجام دی ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

میرے ایک کزن عزیزم مبارک احمد صاحب جو میرے منجھلے چچا سید شبیر علی صاحب کے بڑے بیٹے ہیں، نے جرمنی سے مجھے بتایا کیونکہ عزیزم مبارک احمد نے بھی ایک لمبا عرصہ دادی جان کے پاس گاؤں میں گزارا تھا انہوں نے بتایا کہ ایک چیز کا میری طبیعت پر بہت اثر ہے کہ کبھی کسی فقیر کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا۔ یا آٹا دے دیتی تھیں یا گڑ یا کوئی اور اجناس۔ گاؤں میں زیادہ انہی چیزوں کا رواج ہوتا تھا۔

اس کے علاوہ اگر ہمسایوں سے کوئی خاتون یا بچہ کوئی چیز مانگنے آگیا ہے کہ آج ہمارے گھر آٹا نہیں ہے یا دال نہیں ہے یا نمک مرچ، گھی وغیرہ تو بلا تامل اور بلا تاخیر ان کی ضرورت پوری کر دیتی تھیں۔ اور پھر اگر وہ واپس بھی لے کر آتے تو نہ لیتی تھیں کہ بس اللہ نے آپ کی ضرورت پوری کر دی ہے۔ الحمد للہ

نماز میں شغف

میری ایک کزن سیدہ پروین منصور جو جرمنی میں رہتی ہیں سے میں نے دادی جان کے بارے میں پوچھا۔ کیوں کہ یہ بھی ایک لمبا عرصہ ان کے پاس رہتی رہی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ "دادی جان کی سب سے زیادہ بات جو مجھے یاد ہے اور دل پر نقش ہے کہ وہ نماز کی بہت پابند تھیں۔ جب کام کرتے ہوئے نماز کا وقت آجاتا تو فوراً کام درمیان ہی میں چھوڑ دیتیں اور کپڑے بدل کر پہلے نماز ادا کرتیں۔ اور پھر اپنا کام دوبارہ شروع کر دیتیں۔"

بیماری اور وفات

میں جب امریکہ آیا تو میری اہلیہ اور بچے پاکستان ہی میں تھے۔ جنہیں خدا تعالیٰ کے فضل سے کوارٹر تحریک جدید ملا ہوا تھا۔ میری والدہ کوارٹر تحریک جدید ہی میں

فوت ہوئیں۔ دادی جان مرحومہ اس وقت گاؤں میں تھیں۔ وہ فوراً آ گئیں۔ اور پھر اس کے بعد کہنے لگیں کہ میں بھی اب ربوہ ہی میں رہوں گی۔ چنانچہ آپ ربوہ میں رہائش پذیر ہو گئیں۔

میرے بچوں کے امریکہ چلے آنے کے بعد میرے چھوٹے بھائی نے ایک مکان کرایہ پر لیا اور وہ وہاں پر آ گئیں۔ ایک دن غسل خانہ میں گر گئیں جس سے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس کا علاج ہوا مگر کچھ افاقہ نہ ہوا اور اسی بیماری میں چند ماہ بستر پر رہیں اور پھر ایک دن اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

خاکسار کے منجھلے بھائی سید مبشر احمد اور اُن کی اہلیہ محترمہ نویدہ بیگم صاحبہ نے آپ کی اس آخری بیماری میں بہت خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ آمین

میرے والد سید شوکت علی صاحب اور میرے چچا سید عاشق احمد طاہر صاحب ہر دو دسمبر 1993ء کے جلسہ قادیان میں شامل ہونے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ جلسہ کے بعد واپسی تھی۔ ابا جان نے بتایا کہ جس دن ہم ربوہ واپس پہنچے ہیں اور یہ غالباً جنوری 1994ء کی پہلی یا دوسری تاریخ تھی جب دادی جان کا انتقال ہوا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔

وفات کے وقت دادی جان کی عمر کم و بیش 80 سال تھی۔ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کو آپ کی وفات کی اطلاع دی۔ حضور رحمہ اللہ نے جوابی خط میں خاکسار اور عزیز و اقارب سے تعزیت کی۔

میں نے ہیوسٹن میں ان کی نماز جنازہ غائب پڑھائی۔

بہر حال یہ چند خوبیاں ان کی لکھی ہیں۔ بات ستاروں کے دیکھنے سے چلی تھی حقیقت میں میرے لئے وہ ایک ''ستارہ'' ہی تھیں جس نے ہمارے سارے گھر کو روشن کر رکھا تھا اور ہمارے لئے ہدایت کا موجب تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی خدمت کی بھی توفیق دی۔ میری اہلیہ کو بھی اور ہاں ہمارے ابا جان کو بھی ان کی خدمت کی بہت توفیق ملی۔ اپنی آخری عمر میں ربوہ میں ہی جہاں میرے بچے کوارٹر تحریک جدید میں رہتے تھے آ گئی تھیں اور یہاں ہی وفات پائی اور ربوہ میں ہی ان کی تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کی نیکیوں کو قائم رکھنے کی توفیق دے۔ (آمین)۔

~ ❀ ~ ❀ ~ ❀ ~

سارے مسائل کا ایک حل ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے فرمایا:

''...سارے مسائل کا ایک حل ہے اور وہ حل یہی ہے کہ خدا کی محبت میں مبتلا ہو جائیں اس کے نتیجہ میں جو نسلیں پیدا ہوں گی وہ یقیناً خدا والی نسلیں بنیں گی لیکن اُس کے آثار ظاہر ہونے چاہئیں اور وہ آثار دو طرح سے ظاہر ہوتے ہیں اوّل یہ کہ جو انسان خدا کی سمت میں حرکت کرتا ہے اس کے اندر پاک تبدیلیاں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں، وہ غیر کی بجائے اپنی ذات کا شعور حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے اس کو پھر اس سے کوئی غرض نہیں رہتی کہ میرے ہمسائے کے گھر خدا ہے یا نہیں اس کو یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ میرا گھر اتنا صاف ہے یا نہیں کہ اس میں خدا اُتر آئے۔ جب آپ کے گھر کوئی معزز مہمان آنے لگتا ہے تو کبھی یہ نہیں ہوا کہ آپ گھر چھوڑ کر دوسرے گھروں میں بھاگ جائیں کہ تم صفائیاں شروع کر دو۔ مہمان آپ کے گھر آنا ہے کوئی اور اپنے ہاں صفائیاں وہ کیوں کرے گا۔ جب آپ غیروں کو نصیحت کرتی ہیں تو آپ عملاً یہی بات کر رہی ہوتی ہیں۔ آپ یہ تمنا کرتی ہیں کہ خدا آپ کے گھر اُترے اور صفائیاں غیروں کے گھروں کی کروائی جا رہی ہیں۔ یہ سوچ ہی نہیں رہیں کہ مہمان تو آپ کا آنے والا ہے۔ پس جب آپ کو یہ خیال پیدا ہو گا کہ کون مہمان آپ کے دل میں اُترنے والا ہے تو اس شعور کے ساتھ ہی آپ کو اتنی برائیاں وہاں دکھائی دینے لگیں گی کہ جتنے داغ صاف کریں گی کوئی نہ کوئی نیا داغ ظاہر ہو جائے گا۔ اور انسان جس کو یہ تجربہ ہو اس کو یہ علم ہے کہ جتنی آپ گھر کی صفائی کریں کوئی نہ کوئی ایسا کونہ کُھدرا دکھائی دیتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی صفائی کامل نہیں ہوئی۔ اور جب اس کو صاف کر دیتی ہیں تو بعض دوسری جگہیں جو پہلے صاف دکھائی دیتی تھیں اس کے مقابل پر داغدار دکھائی دینے لگتی ہیں اور یہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے...''

(حوّا کی بیٹیاں اور جنّت نظیر معاشرہ صفحہ نمبر 23 تا 24)

قادیان کی روشن یادیں

پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خان

ہمارے خاندان میں احمدیت

اباجی ڈاکٹر حبیب اللہ خان مشرقی افریقہ میں محکمہ صحت میں ڈاکٹر تھے۔ آپ کا تعلق پنجاب کے کٹر مولویوں کے خاندان سے تھا، جو قریشی، علوی، مفتی کے القابات سے مشہور تھے۔ ہندوستان بھر میں فتاویٰ دیتے پھرتے تھے، یہ لوگ احمدیت کے سخت مخالف تھے۔ اباجی کو تعلیم کے سلسلے میں مشہور معاندِ احمدیت مولوی اصغر علی روحی (پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور جو آپ کے پھوپھا تھے) کے گھر میں کچھ عرصہ رہنا پڑا تھا وہاں محفلوں میں احمدیت کی مخالفت میں طرح طرح کی باتیں ہوتیں جنہیں سن کر آپ بھی مخالف ہو گئے لیکن جب مشرقی افریقہ میں احمدیوں سے میل ملاپ ہوا تو انہیں عام مسلمانوں سے بدرجہا بہتر پایا۔ 1926ء میں بیعت سے مشرف ہو کر جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے۔ اپنے رشتہ داروں سے امتیاز ظاہر کرنے کے لئے اپنے نام کے ساتھ "ابو حنیفی" (یعنی دینِ حنیف پر) لکھنا شروع کر دیا، رشتہ داروں نے آپ کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا۔ مجھے یاد ہے جب بھی خاندان میں کوئی تقریب ہوتی اباجی کے ساتھ بحث شروع ہو جاتی، اباجی ڈٹ کر مقابلہ کرتے، ہر بار احمدیت پر ایمان مزید مضبوط ہو جاتا۔

ہماری فیملی قادیان میں

ہم اباجی کے ساتھ مشرقی افریقہ میں رہ رہے تھے جبکہ دونوں بڑے بھائی (ڈاکٹر محمد حفیظ خان مرحوم اور محمد منیر خان شہید) اباجی کے کزن مولوی مدد علی عربی ٹیچر ہائی سکول شاہ کوٹ کے پاس رہ کر پڑھ رہے تھے جب اباجی احمدی ہوئے تو مولوی مدد علی نے دونوں بچوں کو احمدیت کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا، اباجی ان کے بارے میں فکر مند تھے۔

افریقہ میں ارد گرد کوئی خاطر خواہ سکول نہیں تھا۔ اکثر لوگوں نے اپنے بچوں کو ہندوستان میں قادیان یا دوسرے شہروں میں رشتہ داروں کے پاس تعلیم کے لئے بھجوایا ہوا تھا، چنانچہ اباجی نے احباب کے مشورہ سے اپنے خاندان کو قادیان میں رکھنے کا فیصلہ کیا۔ جماعتی نظام کے تحت پروفیسر ارجمند خان صاحب کے گھر واقع دارالرحمت کا نصف حصہ کرایہ پر لے لیا تھا اور بچوں کو گھر پر پڑھانے کے لئے حضرت بھائی عبدالرحمٰنؓ (مہر سنگھ) کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔ ہم اکتوبر 1941ء میں قادیان پہنچے۔ ہمارا مکان "دوبیبیا" چوک میں واقع تھا (جس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ چوک میں شامل چاروں گھروں کے سربراہان نے دو دو شادیاں کی ہوئی تھیں)۔

میں اُس وقت تین چار سال کا چاق و چوبند لڑکا تھا۔ عصر کی نماز کے بعد ماسٹر صاحب تشریف لاتے میں ماسٹر صاحب سے قاعدہ یسرنا القرآن کا سبق لیتا۔ میری زبان میں لکنت تھی۔ ماسٹر صاحب میرا لحاظ کرتے۔ ماسٹر صاحب نے مجھے محلے کے اطفال کی تنظیم میں شامل کروا دیا تھا۔ ناظم صاحب نے صبح نماز کے لئے صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ پڑھنے والے لڑکوں کے گروپ میں مجھے شامل کر لیا تھا۔

قادیان کے شب و روز

ابھی سکول میں داخل نہیں ہوا تھا، بڑے بھائی امر تسر میڈیکل سکول میں پڑھتے تھے، جو ہفتے کے بعد گھر آتے، جبکہ بھائی منیر قادیان کالج میں پڑھتے تھے، صبح نکلتے شام کی خبر لاتے۔ جونہی بھائی گھر سے نکلتے میں گلیوں میں مٹر گشت کرنے نکل جاتا، گھر میں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔

جمعہ کی چھٹی کے دن بھائی منیر ہفتے کا سودا سلف بازار سے لا دیتے تھے، میرا بھی ایک دکاندار سے تعارف کروا دیا تھا۔ امی مجھے اکثر فوری ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں لانے کے لئے بازار بھیجتیں، میں شارٹ کٹ کرتے ہوئے مسجد کے ساتھ والی گلی سے گزر کر گرلز ہائی سکول کے سامنے جا نکلتا اور ڈھاب کے کنارے کنارے چلتا ہوا بازار پہنچ جاتا۔ اتنا لمبا فاصلہ طے کرتے ہوئے اکثر مجھے جو چیز لانے کے لئے بازار بھیجا گیا ہوتا بھول جاتا اور پھر واپس لوٹنا پڑتا۔ آخر وہ مطلوبہ چیزوں کی فہرست اور نقدی میری جیب میں ڈال دیتیں، مجھے پڑھنا تو نہیں آتا تھا، میں فہرست اور پیسے دکاندار کو دے دیتا۔ وہ سودا اور بقایا نقدی مجھے دے دیتا۔

مجھ جیسے کھلنڈرے کے لیے بازار میں کریانے کی دکان کے علاوہ دیکھنے کی اور بھی کئی دلچسپ چیزیں ہوتیں، قسم ہا قسم کی دکانوں کے باہر کھڑے دیر تک دیکھتا

رہتا، بعض دفعہ وقت گزرنے کا احساس نہ ہوتا، گھر جانے پر خوب کھنچائی ہوتی۔ ایک دکان پر گُڈی کاغذ سے مختلف طرز کی جاذبِ نظر پھولدار بیلیں اور گلدستے وغیرہ بنتے تھے۔ جس میں دکاندار کے علاوہ سات آٹھ لڑکے کام کرتے تھے، میں باہر کھڑا دیکھتا رہتا، کس طرح دکاندار کاغذ سے پتیاں کاٹ کر سرکنڈوں پر لپیٹتا اور لپٹی پتیوں کو دبا کر ان میں سلوٹیں ڈالتا اور الگ الگ کر دیتا کہ اصلی پتیاں معلوم ہوتیں۔ عام پتوں کے لئے سبز اور پھول پتیوں کے لئے مختلف رنگ کا کاغذ استعمال کرتا۔ لڑکے ان پتیوں کو دھاگے سے سرکنڈے کی پتلی پتلی ڈنڈیوں کے سروں پر باندھ دیتے یا لئی سے چپکا دیتے، ڈنڈیوں کو اکٹھا کرکے رنگ برنگ گلدستے تیار کیے جاتے۔ جو ہندو لوگ گھروں کی سجاوٹ کے لئے لے جاتے۔

زردے والا پان

بازار کے شروع میں مختلف خوشبوؤں میں رچی بسی پان والے کی دکان تھی، جہاں ہر وقت بھیڑ لگی رہتی، آرڈر پر آرڈر، زردے والا، قوام والا، سپاری والا، میٹھا، سادہ غرضیکہ ہر قسم کا پان لینے والوں کا جمگھٹا لگا رہتا۔ کئی دفعہ دل چاہا میں بھی پان کھاؤں، مگر ہمت نہیں ہوئی کیونکہ میں نے کبھی گھر میں کسی کو پان کھاتے نہیں دیکھا تھا۔

ایک دن کسی بات پر خوش ہو کر امی نے مجھے ایک آنہ انعام دیا۔ آج پان کھانے کی خواہش پوری کرنے کا سنہری موقع تھا، بھاگا بھاگا، پان فروش کی دکان پر پہنچا۔ بہت خوش تھا کہ آج میں بھی پان کے خریداروں میں شامل ہوں، اپنی باری پر دکاندار کو آنے کا سکہ دیا، ''کس قسم کا پان لینا ہے؟'' مجھے گھر میں زردہ پسند تھا۔ ''زردے والا''۔ اگلے لمحے کاغذ میں لپٹی پان کی گلوری میرے ہاتھ میں تھی۔ صبر نہ کر سکا جونہی بازار سے نکلا گلوری کاغذ سے نکال منہ میں رکھ لی۔ کچھ مزیدار میٹھا لگا۔ البتہ سپاری چباتے ہوئے منہ بدمزہ ہو گیا، راستے کی ایک طرف پان تھوکتا تھا کہ اچانک طبیعت گھبرانے لگی، دل متلانے لگا، سر بھاری ہو گیا اور چکر آنے لگے۔ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ بخار میں اس طرح کی کیفیت ہو جایا کرتی تھی۔ میں نے گھبرا کر چلنے کی رفتار تیز کر دی، جب گرلز سکول کے سامنے پہنچا، قے آئی۔ کچھ عرصہ سڑک کے کنارے سر پکڑے بیٹھا رہا، جب طبیعت کچھ بحال ہوئی، گھر پہنچا، والدہ میری حالت دیکھ کر پریشان ہو گئیں، پوچھتی رہیں کیا ہوا، کیا ہوا، دعائیں کرتے ہوئے بستر پر لٹایا، پانی پینے سے انکار کر دیا، دل ابھی تک متلا رہا تھا۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی ڈرتے ڈرتے امی کو بتایا میں نے زردے والا پان کھایا تھا، سارا معاملہ سمجھ گئیں، مجھے کپڑا اوڑھا کر آرام سے سونے کے لئے کہا۔ جب اٹھا تو طبیعت بحال تھی، اس کے بعد جب بھی بازار جاتا، پان کی دکان سے کترا کر نکل جاتا

ارضِ خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست

سارا دن گھر میں اُتھل پتھل میں گزر جاتا، شام کو جب بھائی جان کالج سے گھر آتے، امی کی طبیعت گو نرم تھی پھر بھی وہ مجھ سے اتنی تنگ آئی ہوتیں کہ شکایت کرتیں کچھ گوشمالی ہوتی اور بس۔ آپا سکول گئی ہوتیں۔ امی میری دن بھر کی شرارتوں سے تنگ آکر مجھے دھیان لگانے کے لئے کوئی چیز لانے بازار بھیج دیتیں یا باہر کھیلنے کی جاازت دے دیتیں۔ اس وقت مجھے کوئی دوست نظر نہ آتا، سب سکول گئے ہوتے۔

میں نے اپنے لئے خود ایک کھلونا بنایا تھا بوٹ پالش کی خالی ٹین کی ڈبیہ کو ایک لمبی چھڑی کے کنارے پر کیل سے ٹھونک لیا تھا، دوسرے کنارے سے پکڑ کر چلتا تو ڈبیہ زمین پر پہیے کی طرح گھومتی یہ سادہ سا کھلونا میرا 'رہڑا' مجھے قادیان کی گلیوں میں دور دور لے جاتا۔

میں اکثر شمال کی طرف محلہ دارالعلوم میں بورڈنگ تحریکِ جدید اور فضل عمر ہوسٹل اور پرانے جامعہ کے ساتھ سے گزر کر قریباً دو میل دور سیلابی بند (سڑک نواب صاحب) کے ساتھ محلہ دارالشکر نکل جاتا۔

محلہ دارالشکر میں

محلہ دارالشکر میں حاکم دین صاحب کی کوٹھی کے مشرق میں ملحقہ ہمارا آٹھ کنال زمین کا پلاٹ تھا جس کے گرد قدِ آدم دیوار تھی، ایک کونے میں دو کنال پر ہمارا گھر تعمیر ہو رہا تھا، باقی زمین میں آم، جامن، فالسہ اور امرود کے تناور پودے پھل دے رہے تھے۔ وہاں خوب مزا رہتا، درختوں پر چڑھتا اُترتا، جھولتا، پھل کھاتا، جب تھک جاتا، گھر واپسی پر گھر والوں کے لئے بھی پھل لے آتا۔

شمال میں کھلا میدان تھا جس کے شمالی کنارے کے ساتھ ساتھ ریلوے لائن گزرتی تھی، جس پر کوئی نہ کوئی گاڑی دھوئیں کے بادل اُڑاتی چھک چھک اور سیٹی بجاتی چکر کھاتی آتی جاتی نظر آتی، یہ نظارہ اتنا اچھا لگتا کہ گاڑی کے نظر سے اوجھل ہونے تک دیکھتا رہتا۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ محلہ دارالشکر کے کھلے میدان میں تعلیم الاسلام کالج کی سالانہ کھیلیں اور خدام الاحمدیہ کا اجتماع منعقد ہوا تھا، میں نے یہ درخت پر چڑھے چڑھے دیکھے تھے، کیونکہ بچوں کا داخلہ منع تھا۔

سوئمنگ پول

نواب صاحب کے باغ کو ٹیوب ویل کے پانی سے سینچا جاتا تھا۔ ٹیوب ویل کے پاس ہی سوئمنگ پول تھا۔ گرمیوں میں اکثر وہاں دوسرے شہروں اور قادیان کی ٹیم کے درمیان مقابلے ہوتے رہتے تھے، محلوں کی مساجد میں اعلان ہوتا، لوگ اپنی ٹیم کی حوصلہ افزائی کرنے جوق در جوق جاتے۔ عام طور پر یہ مقابلے عصر کی نماز کے بعد ہوتے۔ میں بھی اکثر دیکھنے چلا جاتا۔

ایک دن جبکہ میچ زوروں پر تھا، مجھے بھیڑ میں زمین پر پڑا ایک روپے کا سکہ ملا۔ وہیں باہر ایک چھابڑی والا آم لئے بیٹھا تھا۔ آم خریدے، اُسوقت لفافوں وغیرہ کا رواج تو نہیں تھا، چھابڑی والے نے میری قمیص کے دامن میں تول کر ڈال دیئے، میں سوئمنگ وغیرہ بھول کر مزے سے آم چوستا چوستا شام کو گھر پہنچ گیا۔

مسجدِ اقصیٰ قادیان

بھائی جان منیر مجھے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے اندرون شہر مسجد اقصیٰ کھلی و تنگ گلیوں سے گزار کر لے جاتے، جہاں میں اکیلا جاتا گھبراتا اور جرأت نہ کرتا تھا۔ مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوتی، کبھی کبھی حضرت مصلح موعود خلیفہ ثانیؓ کی جھلک دیکھ پاتا۔ آپؓ اور اکثر لوگ سفید لباس میں ملبوس ہوتے۔ حضور خطبہ ارشاد فرماتے، اور جمعہ کی نماز پڑھاتے، آپا نے مجھے نماز تو یاد کرادی تھی، مگر ابھی کچی پکی تھی جو نماز پڑھتے ہوئے اکثر بھول جاتا۔

ایک یادگار وقارِ عمل

اس زمانے میں ایک سال بہت بارشیں ہوئیں، اتنی کہ ڈھاب لبالب بھر گئی۔ موسم گرما تھا محلوں میں ہم بچے برستی بارشوں میں خوب نہاتے اور گاتے

''کالیاں اٹاں کالے روڑ مینہ ورسادے زوروں زور''

لگتا تھا ہماری فرمائش پر بارش تیز ہو جاتی تھی۔ جگہ جگہ نشیبی جگہوں میں پانی کھڑا ہو جاتا اور ساری ساری رات مینڈکوں کے ٹرانے کی طرح طرح کی آوازوں کا شور مچا رہتا۔

اس دوران مسجد میں اعلان ہوا کہ شہر سے بہشتی مقبرے کی طرف جانے والا راستہ پانی کھڑا ہونے کی وجہ سے مسدود ہو گیا ہے، زائرین کو پانی میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس تکلیف کے پیش نظر وہاں پل بنانے کی تجویز ہوئی، اور وقارِ عمل کے لئے اعلان ہوا۔ مقررہ دن خدام اور ہم اطفال اپنے محلوں سے صلِّ علیٰ پڑھتے ہوئے ٹولیوں میں وقتِ مقررہ پر وقوعہ پر پہنچے، بھرپور حاضری تھی۔

اچانک نعروں سے میدان گونج اُٹھا، حضور بنفسِ نفیس وقارِ عمل میں حصہ لینے اور نگرانی کے لیے تشریف لائے تھے۔ لاؤڈ سپیکر پر کھدائی کا پروگرام نشر کیا گیا۔ جس کے مطابق مٹی ایک اونچی جگہ سے کھود کر پل کی جگہ پر تغاریوں کے ذریعے پہنچائی جانی تھی۔ مٹی کھودنے اور تغاریاں بھرنے والوں کا الگ الگ گروپ تھا۔ بھری تغاریوں کو منزلِ مقصود پر پہنچانے والے خدام اور انصار قطار بنائے کھڑے تھے جو اپنے سے اگلے خادم کو تغاری پکڑاتے جاتے اس طرح مٹی سے بھری تغاری منزلِ مقصود پر پہنچ جاتی۔ باہر کی قطار ہم اطفال تھے، ہم خالی تغاریاں ایک دوسرے کو پکڑاتے بھرائی کی جگہ پر پہنچاتے جاتے۔

خوش قسمتی سے مجھے اس قطار میں جگہ ملی جہاں سامنے مٹی گرائی جارہی تھی میں حضرت صاحبؓ کو سامنے دیکھ سکتا تھا، آپ سفید پگڑی اور قمیص شلوار میں ملبوس پہرہ داروں اور خدام سے گھرے کھڑے تھے، جو بھری تغاریاں ہاتھوں میں لے کر بھرائی کی جگہ پر ڈال رہے تھے۔ یہ نظارہ اب تک میری یادوں میں ثبت ہے

دو تین گھنٹوں میں پُل بن گیا، حضورؓ نے مختصر خطاب فرمایا، دعا کرائی اور ہم شاداں و فرحاں مغرب کی نماز سے پہلے گھر لوٹے۔ الحمدللہ

سترہ دن کی چھٹی

1943ء کی بات ہے اباجی جو مشرقی افریقہ میں کیمبو گوٹو کے ٹی بی سینیٹوریم میں کئی سالوں سے ڈاکٹر تھے، گلے کی غدودوں میں انفیکشن کے باعث سخت بیمار ہو گئے۔ دعائیں کیں علاج کروایا مگر بیماری تھی کہ قابو میں نہیں آرہی تھی۔ دعا کر کے سوئے تھے کہ آواز آئی 'تمہیں 17 دن کی چھٹی دی جاتی ہے۔'

افریقہ میں اکیلے تھے، فیملی قادیان میں تھی۔ چھٹی لے کر افریقہ سے قادیان تشریف لائے، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو خواب لکھ کر دعا کی درخواست کی۔ کچھ دن بعد حضورؓ کا جواب آیا ''ڈاکٹر صاحب آپ کیوں گھبراتے ہیں، خواب میں آپ کو سترہ سال سے کہیں زیادہ سالوں کی عمر کی بشارت دی گئی ہے۔'' الحمدللہ۔

چنانچہ اباجی نے 17 ستمبر 1974ء کو ربوہ میں خواب سے 40 سال بعد 89 سال عمر میں وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، آمین۔

قادیان میں اباجی کی مصروفیات

اپنی بیماری کے باعث اباجی بھائی محمد حفیظ خان (جو میڈیکل سکول امرتسر میں تیسرے سال میں پڑھ رہے تھے) کی شادی کے فرض سے جلد سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ آپ کو واپس ڈیوٹی پر بھی پہنچنا تھا۔ الفضل میں ضرورتِ رشتہ کا اشتہار دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فضل کیا حضرت مرزا برکت علی صاحب کی دخترِ نیک اختر سے رشتہ طے پایا۔

اباجی نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے تمام غیر احمدی رشتہ داروں کو بغرض تبلیغ شرکت کرنے کی دعوت دی، تا کہ قادیان آ کر خود ماحول دیکھیں۔ مہمانوں میں ابا جی کے رشتہ دار مولوی مدد علی صاحب بھی شامل تھے جو احمدیت کے معاند تھے، (جن کے پاس رہ کر بھائی حفیظ پڑھتے رہے تھے)۔ موصوف کو اپنے علم پر بڑا مان تھا۔ دو تین دن قادیان میں ٹھہرے، اس دوران۔"الفضل" میں بھائی جان کی شادی کی خبر دعا کی درخواست کے ساتھ شائع ہوئی۔ مولوی موصوف نے اباجی سے الفضل کا شمارہ لیا۔ اعلان کے الفاظ کی شستگی اور دعا کی درخواست سے جل بھن گئے، اور یہ کہتے ہوئے کہ "دیکھتا ہوں تمہارے خلیفہ اور تمہاری دعائیں کیسے قبول ہوتی ہیں، میں پیش گوئی کرتا ہوں، یہ شادی مہینہ بھی نہیں چلے گی"۔ میری عمر اس وقت پانچ چھ سال ہو گی مجھے یاد ہے، مولوی نے بہت شور و غوغا مچایا تھا کہ یہ واقعہ میری یاد داشت میں اب تک نقش ہے۔ الفضل کا شمارہ جس رعونت سے طے کر کے اپنے تھیلے میں گھسیڑا، اس سے ان کی احمدیت سے تعصب کی غمازی ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احباب کی دعاؤں کے طفیل اب اس جوڑے سے آٹھ کنبے جرمنی، امریکہ اور کینیڈا میں کئی خاندانوں میں پھیلے خلیفۂ وقت اور جماعت کی دعاؤں کی قبولیت کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔

میرا اسکول میں داخلہ۔ ہماری کچی پہلی جماعت

قادیان میں اباجی کا دوسرا کام مجھے تعلیم الاسلام پرائمری سکول میں داخل کرانا تھا۔ میرے لئے سکول اور سکول کا ماحول ایک حیرت کدہ سے کم نہ تھا۔

ہماری کلاس ہائی سکول اور کالج کے درمیانی درختوں کی قطار میں ایک گھنے شیشم کے درخت کی چھاؤں میں بیٹھتی تھی۔ سکول شروع ہونے سے دس منٹ پہلے کلاس کا مانیٹر دو تین لڑکوں کو ساتھ لیے سٹور سے چٹائیاں، بلیک بورڈ اور ماسٹر صاحب کے لئے کرسی اٹھوالاتا۔ چٹائیاں تین قطاروں میں بچھادی جاتیں۔ جونہی دعا کی گھنٹی بجتی ہم سکول کے وسیع صحن میں مانیٹر کے پیچھے قطار باندھے کھڑے ہو جاتے۔ تین خوش الحان لڑکے ڈائس سے حمدِ باری تعالیٰ کے الفاظ کہلواتے اور ہم سب بیک آواز دہراتے کہ فضا حمدِ باری تعالیٰ سے گونج اُٹھتی:

میری رات دن بس یہی اک صدا ہے
کہ اس عالمِ کون کا اک خدا ہے

وہ ہے ایک اُس کا نہیں کوئی ہمسر
وہ مالک ہے سب کا وہ حاکم ہے سب پر

اسی نے ہے پیدا کیا اس جہاں کو
ستاروں کو سورج کو اور آسماں کو

نہ ہے باپ اس کا نہ ہے کوئی بیٹا
ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا

پہاڑوں کو اس نے ہی اونچا کیا ہے
سمندر کو اس نے ہی پانی دیا ہے

یہ دریا جو چاروں طرف بہہ رہے ہیں
اسی نے تو قدرت سے پیدا کیے ہیں

سمندر کی مچھلی ہوا کے پرندے
گھریلو چرندے بنوں کے درندے

سبھی کو وہی رزق پہنچا رہا ہے
ہر اک اپنے مطلب کی شے کھا رہا ہے

دعا کے بعد جونہی فضا میں پہلی گھنٹی کی آواز گونجتی ہم واپس اپنی کلاس میں لوٹ آتے۔ ہمارے انچارج ٹیچر حضرت ماسٹر محمد بخش سولنگیؓ صاحب تشریف لاتے تو مانیٹر آگے بڑھ کر سلام کہتا، مانیٹر کے "کلاس سٹینڈ" کے جواب میں ساری کلاس کھڑی ہو جاتی، مانیٹر آگے بڑھ کر سائیکل پکڑ کر درخت کے تنے کے ساتھ کھڑا کر دیتا۔ ماسٹر صاحب السلام علیکم کہتے، ہم وعلیکم السلام عرض کرتے۔ ماسٹر صاحب حاضری لیتے ہم لبیک۔ لبیک کہتے اور باقاعدہ پڑھائی کا آغاز قاعدہ یسرنا القرآن کے سبق سے ہوتا۔ پھر نماز کے سبق کی دہرائی ہوتی، ماسٹر صاحب آموختہ سنتے، اپنے کُرتے کی جیب سے موٹی سی مسواک نکالتے اور آموختہ نہ سناسکنے والوں کے ہاتھ پر دو تین بار آہستہ سے مار کر ٹوکن سزا دیتے اور آئندہ یاد کر کے آنے کی تلقین کرتے۔

محترم ماسٹر صاحب نہایت سادہ طبیعت، شفیق، سفید، ڈھیلی ڈھالی پگڑی، قمیص اور تہبند میں ملبوس بڑی محبت سے پڑھاتے۔ ماسٹر صاحب کا مسکراتا ہوا بزرگ چہرہ اب تک میری یادوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے، آمین۔

تفریح کی گھنٹی کے ساتھ ہی بستوں سے لنچ کے ڈبے نکل آتے۔ ساتھ ہی ظہر کی آذان کی آواز مسجد نور سے آتی۔ سفید کپڑوں میں ملبوس سکول اور کالج کے طلباء قطار در قطار مسجد پہنچتے۔ نماز اور درس کے بعد ہم قطاروں میں واپس کلاسوں میں پہنچ جاتے۔ اور پڑھائی شروع ہو جاتی۔ گھر کے لیے کام دیا جاتا۔ آخری گھنٹہ شروع

ہونے کے ساتھ ہی بستے سنبھال لیتے۔ چٹائیاں، بلیک بورڈ اور کرسی سٹور میں پہنچا دی جاتی۔ اس دوران کلاس دو قطاروں میں بٹ جاتی اور باری باری پہاڑے کہلوائے جاتے۔

اِک دُونی دُونی، دو دُونی چار ..... اِک چو کا چوکا، دو چو کے آٹھ ..... اِک ساتا ساتا دو ساتے چوداں۔ یہ سلسلہ چھٹی کی لمبی گھنٹی کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا۔

چٹائیوں سے اُڑی دھول میں کوئی بستہ لئے مشرق اور کوئی شمال کا رُخ کرتا میں بوٹ کی ٹھوکروں سے پتھروں سے کھیلتا، دھول اُڑاتا، لاپرواہ قدموں کے ساتھ گھر کی راہ لیتا۔ کچھ شام کی کھیلوں کا پروگرام بناتے ہوئے تیز قدم چلتے ہوئے گلیوں اور گھروں کے کھلے کواڑوں میں غائب ہو جاتے۔

بچپن کی خواہشیں

تعلیم الاسلام ہائی سکول کی سادہ سی عمارت کے مقابل کالج کی شاندار بارُعب عمارت کے کشادہ اور وسیع برآمدے اور لمبی لمبی راہداریاں ہم جیسے کچی پکی میں پڑھنے والوں کو کھلے عام چھپن چھپائی اور بھاگ دوڑ کرنے کی دعوت دیتیں۔ دو تین بار پہریدار نے سرزنش کی اور ہماری شامت کہ مجھے بھائی منیر (جو بی ایس سی کے طالب علم تھے، اس وقت لیبارٹری میں پریکٹیکل کر رہے تھے) نے کھڑکی سے بھاگتے دوڑتے دیکھ لیا۔ گھر گئے خوب کھنچائی ہوئی اور ہمارے لئے کالج میں داخلہ ممنوع ٹھہرا لیکن ہمارے دوست اس نعمت سے چھپے چھپائے برابر مستفید ہوتے رہے۔ ہم کالج کی شاندار عمارت کا دور دور سے نظارہ کرتے رہتے۔

سکول میں داخلے پر میں گھبرایا تو آپا نے تسلی دیتے ہوئے بتایا تھا کہ سکول سے کالج کہیں بڑا ہوتا ہے۔ سکول میں بچے اور کالج میں بھائی جان پڑھتے ہیں۔ جب سکول پاس کر لیتے ہیں تو کالج میں داخلہ لیتے ہیں۔ بڑی بڑی کتابیں پڑھتے ہیں (پھر بات سمجھ میں آئی کہ بھائی منیر کی میز پر اتنے بڑے بڑے ''کتابے'' کیوں پڑے رہتے ہیں)۔ بھائی منیر کا کمرہ بیٹھک کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا۔ الماری میں تصویروں سے مزیّن کتابوں کے علاوہ رنگ برنگ تصویروں والے رسالے بھی تھے۔ شومئ قسمت میں نے ایک رسالہ کھسکا کر اس میں سے تصاویر کاٹ لیں۔ آخر پکڑا گیا، کھنچائی ہوئی اور بھائی جان کے کمرے میں بھی میرا داخلہ ممنوع ٹھہرا۔

بدلتے وقت۔ پاکستان کے لیے مہاجرت

1947ء کے موسم گرما کی چھٹیوں کے ساتھ ہی قادیان میں آہستہ آہستہ غیر مانوس چہروں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ لوگ سامان تانگوں، گڈوں پر لیے آ جا رہے تھے، قادیان کے پر سکون ماحول میں ایک غیر مانوس سی بے چینی سرایت کر رہی تھی۔ محلے کی مسجد میں لوگوں نے بستر لگا لیے تھے۔ ہم بچوں کا باہر نکلنا منع ہو گیا تھا۔

بھائی حفیظ امرتسر سے کئی دن سے آئے ہوئے تھے۔ سرِ شام سب لوگ گھروں میں بند ہو جاتے۔ وہ جو رستے بستے شہر میں زندگی کی ایک خاص گہما گہمی سی ہوتی ہے سرِ شام ماند پڑنے لگی۔ ایک ان جانا خوف اور ہراس دارالامان پر اپنا مکروہ سایہ پھیلائے جا رہا تھا۔ اب تو نا گہاں کبھی کبھی شام کے وقت گولیاں چلنے کی آوازیں بھی آنے لگی تھیں۔

گھر کے بڑے پاکستان جانے کے منصوبے سوچتے رہتے۔ مسئلہ ضعیف والدہ کا تھا کہ اگر پیدل قافلے میں جانا پڑا تو اتنا لمبا سفر کیسے کر سکیں گی۔ گھر کے سٹور میں ایک بچوں کی ریڑی پڑی تھی۔ اسے صاف کر کے تیل وغیرہ دیا گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ سفر میں اس میں رضائیاں وغیرہ بچھا کر والدہ کو بٹھایا جائے گا۔ جب سب تیاری ہو گئی تو ٹیسٹ کرنے کے لئے مجھے اس گاڑی میں بٹھایا گیا تو ایک پہیہ اِدھر دوسرا اُدھر چلا گیا یعنی یہ کوشش بیکار گئی۔ سب پریشانی میں دعائیں کر رہے تھے۔ اباجی افریقہ میں پریشان تھے۔

بھائی منیر شام کو خبریں لاتے۔ بسوں کے ایک دو قافلے قادیان سے جا بھی چکے تھے۔ ایک صبح ہم تیار ہو کر گئے بسیں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ نفسا نفسی کا عالم تھا۔ ظاہر ہے ہم نَو افراد کو کہاں جگہ ملتی اتنی مایوسی تھی کہ بڑوں نے سوچا پتہ نہیں ہمارا کیا بنتا ہے کم از کم ہم میں سے کوئی ایک تو بچ جائے۔ قرعہ میرے نام پڑا۔ میرے دو تین کپڑے، کچھ روٹیاں ایک پچکی میں باندھ دی گئیں۔ کچھ نقدی میری قمیص میں سی دی گئی اور کچھ میری جیب میں۔ لاہور میں خالہ زاد بھائی نور احمد کے گھر کا پتہ 'بیرون موچی گیٹ، برکت علی روڈ، 5 قمر منزل، لاہور، لکھ کر میری جیب میں اور پچکی میں خط کے ساتھ رکھ دیا گیا۔ مجھے ہر ایک نے آنسو بھری آنکھوں سے سسکیاں لیتے اور دعائیں کرتے بھائی منیر کے ساتھ روانہ کیا۔

جب ہم تعلیم الاسلام کالج کی گراؤنڈ میں پہنچے، کھچا کھچ بھری چار پانچ بسوں کے گرد لوگوں کا ایک اژدھام تھا۔ ایک طرح کی چیخ و پکار تھی۔ بھائی منیر نے مجھے بازوؤں میں اٹھا لیا اور ایک بھری بس کی کھلی کھڑکی میں اندر دھکیلنے کی کوشش کی۔ گھبراہٹ میں مَیں نے رونا شروع کر دیا۔ دو دفعہ کی کوشش رائیگاں گئی۔ بسیں چلی گئیں اور ہم مایوسی کے عالم میں گھر واپس لوٹ آئے۔

نااُمیدی میں اُمید

سخت مایوسی تھی۔ طرح طرح کے منصوبے بنتے اور ٹوٹتے۔ ایک شام جب دروازہ بند کر کے مایوس بیٹھے تھے، دروازہ کھٹکا، سب ڈر گئے۔ پاس جا کر پوچھا: کون ہے؟ باہر سے خالہ زاد بھائی نور احمد کی مخصوص آواز تھی ''میں نور احمد''۔ دروازہ

کھولا، سب سے گلے ملے۔ انہوں نے بتایا وہ ایک فوجی ٹرک لے کر ہمیں لینے آئے ہیں۔ صبح سے ہمارے گھر کا پتہ کرتے کرتے اب ہم تک پہنچے ہیں۔ ہم سب نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کیسے ناامیدی میں امید پیدا کر دی۔ الحمد للہ

اگلی صبح ہم تیار ہو کر بسوں کی طرف روانہ ہوئے۔ ہمارے ٹرک میں بھی لوگ سوار ہو چکے تھے۔ تِل رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ کسی نہ کسی طرح ہمارے لیے جگہ بنائی گئی۔ بے جی (والدہ) بھائی منیر کو بار بار کہتیں اور التجائیں کرتیں کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو مگر انہوں نے کہا میری ڈیوٹی ہے میں بعد میں آؤں گا اور بھیڑ میں گم ہو گئے۔ والدہ دیر تک اداسی میں روتی رہیں۔

سفر ہجرت

ہماری کانوائے میں سات بسیں تھیں، موسم برسات اور ٹریفک کی وجہ سے سڑک پر جا بجا کھڈے پڑے ہوئے تھے، بسیں رینگنے کی رفتار سے چل رہی تھیں۔ جب شام ہوئی ہم امرتسر شہر کے مضافات میں داخل ہو ہی رہے تھے، کہ ایک بس کا انجن فیل ہو گیا۔ بھائی نور احمد فوج میں موٹر مکینک تھے، رات اندھیری تھی کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا، بیٹری مہیا نہیں تھی۔ پتہ کیا گیا کسی کے پاس ماچس ہے آخر ایک سگرٹ نوش کام آئے۔ ماچس کی تیلیاں جلا جلا کر تاریں جوڑیں اور بس سٹارٹ ہو گئی۔ سب نے شکر ادا کیا۔

بھائی حفیظ پہلے ہی لاہور پہنچ چکے تھے انہوں نے کرشن نگر میں ایک گھر آلاٹ کروالیا تھا۔ ڈاکٹر تھے بازار میں ایک ہومیو پیتھک ڈاکٹر کی دکان الاٹ ہو گئی تھی۔ بھائی جان ہومیو پیتھک کی چھوٹی چھوٹی شیشیاں لے کر آتے ہم انہیں صاف کرتے اور لنڈے بازار میں بیچ کر کچھ نقدی مل جاتی۔ افراتفری کا زمانہ تھا۔ بے جی (والدہ) نے کچھ نقدی بچار کھی تھی جس سے گزارا ہو رہا تھا۔

بھائی منیر کی شہادت

ہم لاہور میں ٹھہر کر بھائی منیر کے قادیان سے آنے کا انتظار کر رہے تھے کہ ناگہاں دفتر سے بھائی کی شہادت کی اطلاع ملی۔ تفصیل کے مطابق بھائی جان سکھ حملہ آوروں کا مقابلہ ابا جی کی دونالی بندوق سے کئی دن کرتے رہے۔ آخر سکھوں نے رات کے اندھیرے میں گھر کی پچھلی دیوار پھاند کر پیٹ میں چھرا گھونپ کر شہید کر دیا۔ جب خدام اگلی صبح پتہ کرنے گئے تو بھائی کو صحن کے درمیان میں چت پڑے پایا۔ انتڑیاں باہر پھیلی ہوئی تھیں، اناللہ وانا الیہ راجعون

اس خبر پر بے جی اور بڑوں کا غم سے برا حال تھا۔ اب ہمارا لاہور میں ٹھہرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ لاہور میں بھی افراتفری تھی بسوں پر بڑی بھیڑ تھی۔ ہم نے لاہور سے سو میل دور اپنے آبائی گاؤں چک سان جانا تھا۔ آخر ایک گڈے والے نے چک سان پہچانے کی حامی تین چار سو روپے میں بھر لی۔

ہم اور ہمارا جو بھی اثاثہ تھا، گڈے پر لد کر آہستہ آہستہ منزلِ مقصود کی طرف بڑھنا شروع ہوئے۔ مجھے شاہدرہ کی سڑک اب بھی یاد ہے جس کے دونوں طرف کھجور کے لمبے لمبے درخت تھے۔ رستے میں بیلوں کے آرام کے وقت ہم بھی نیچے اُتر کے کھیس وغیرہ بچھا کر آرام کر لیتے۔ ہماری سواری ساری رات چلتی رہتی آخر کار سو میل کا یہ سفر اللہ اللہ کر کے ختم ہوا اور ہم چوتھے دن اپنے گاؤں پہنچ گئے۔ جان میں جان آئی۔

دادی جان اور گاؤں کے لوگ ہمارے منتظر تھے۔ دادی جان ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ ہم اپنے پکے گھر میں خوب دوڑے پھرے۔ بے سرو سامانی کی حالت تھی، بھائی منیر کی شہادت سے سب نڈھال تھے، بے جی کا برا حال تھا، ہر وقت دروازے کی طرف نظریں گاڑے رکھتیں کہ منیر اب آیا کہ اب آیا۔

یہ تھیں میری قادیان دارالامان کی روشن یادیں۔ پھر پاکستان میں میری زندگی کا ایک نیا باب شروع ہو گیا ؎

اے قادیاں دارالاماں اونچا رہے تیرا نشاں

آزمائش اور امتحان کے بغیر تمہیں چھوڑا نہیں جائے گا

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے فرمایا:

”سب سے زیادہ خوف اس وقت ہوتا ہے جب انسان یہ دیکھے کہ دنیوی طاقتیں اسے مٹا رہی ہیں اور سب سے کم خوف نہ ہونے کے برابر اس وقت ہوتا ہے جب انسان یہ محسوس کرے کہ جو سب سے زیادہ طاقتور ہے اللہ ہمارا، وہ ہماری مدد کے لئے ہمارے پاس کھڑا ہے اور دشمن ہمیں ایذا تو پہنچا سکتا ہے کچھ خوف کے حالات تو پیدا کر سکتا ہے لیکن اپنے منصوبہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔“

(از خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ، 11 دسمبر 1981ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

سیّد طالع احمد شہید کی مختلف جماعتی مصروفیات